ایک جگنو ہے بند مٹھی میں

فائزہ افتخار

ایئرپورٹ پہ پھوپھی اماں اور موتی کے درمیان ہونے والا جذباتی منظر اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پچھلے چند روز سے وہ زبردست کوفت اور جھنجلاہٹ کے زیر اثر تھا۔ اور اس کے طویل و دردناک ٹریجک سین نے اس میں خاطر خواہ اضافہ کیا تھا۔

"امی! آپ کیا آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہیں الگ کیجیے اس بے وقوف لڑکی کو پھوپھی اماں سے فضول تماشا لگا رکھا ہے۔"

جھلایا ہوا تو پہلے ہی سے تھا، یہ دیکھ کر اور بھنا گیا کہ بجائے ان دونوں کو خاموش کرانے کے سب ہی متاثر ہو جانے والی نظروں سے یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے امی نے تو کیا اس کی ہدایت پہ عمل کرنا تھا، صدف خفت سے سرخ ہوتا چہرہ لیے آگے بڑھی اور تقریباً "کھینچ کر" موتی کو اپنی امی سے الگ کرنے لگی، احتجاجاً موتی اور زور سے بلکنے لگی۔

"چچی! مجھے بھی ساتھ لے چلیے۔ میں آپ کے بغیر۔"

"فضول ضد مت کرو موتی! کتنا سمجھا کے تھی میں تمہیں۔" صدف زچ ہو گئی۔

"نہ بیٹی! اسے یوں تو مت ڈانٹو۔ پہلے ہی رو رو کے ہلکان ہو رہی ہے۔ بس میری جان! میں کیا کروں، کیسے لے جاؤں تجھے۔ بس میری بچی، دعا کرنا تیری چچی، ماموں، ممانی خیر خیریت سے یہ فریضہ ادا کر کے لوٹیں۔"

پھوپھی اماں نے اسے چمکارا اور ساتھ ہی اپنی دونوں بیٹیوں اور اکلوتے فرزند کو ہدایات جاری کرنے لگیں۔

"ندرت! دوسرے تیسرے دن چکر لگا لیا کرنا، یوں تو صدف ماشاءاللہ بڑی سمجھ دار ہے مگر تم بڑی ہو، ان کا خیال ضرور رکھنا۔ عاکف کا بھی دھیان رکھنا، گیند بلا اٹھا کے دو دو دن کے لیے غائب نہ ہو جائے کہیں اور ہاں۔۔۔ سردی بڑی ہے، بلو، پپو اور گڑیا کا خاص خیال رکھنا۔"

ان کی بڑی صاحبزادی گود میں کسمساتی گڑیا کو ہلکے ہلکے تھپکتے حسب عادت سر ہلا کر ماں کو تسلی دینے لگیں اور ہمیشہ کی طرح ان کے مشینی انداز میں سر ہلانے پر پھوپھی اماں غیر مطمئن ہی رہیں لیکن وقت کی کمی کے پیش نظر دوبارہ اپنا ہدایت نامہ نشر کرنے کے بجائے دوسری بیٹی کو فیض یاب کرنے لگیں۔

"صدف! میری جان، بھائی کا دھیان رکھنا اور

مکمل ناول

ابراہیم کی بڑی مہربانی کہ وہ اتنے دن تم لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے ہمارے گھر رہے گا۔ اگر عاکف کسی کام کا ہوتا تو میں بیچارے ابراہیم کو تکلیف ہی کیوں دیتی، بس اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اسے گھر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا، اس سے روز پوچھ لیا کرنا کہ کیا کھانے کو جی چاہ رہا ہے، یہ نہیں کہ بس اپنی پسند کی دالیں ہی چڑھاتی رہا کرو۔"

پھوپھی اماں کل سے کم و بیش دس بار یہ ہدایت اسے دے چکی تھیں، اکیلے میں بھی اور سب کے سامنے بھی اور اس وقت ایئرپورٹ پہ ابراہیم کے بالکل سامنے کھڑی صدف نے یہ آخری تاکید سن کر اچھی خاصی شرمندگی محسوس کی لیکن اسے اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔ اس لیے تسلی بھری مسکراہٹ سے سر ہلایا۔

"اور ہاں' موتی کو زیادہ جھڑکنا نہیں۔ بچی ہے' پیار سے سمجھانا۔"

ابراہیم نے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھنے کے بعد ایک بڑی بدمزہ سی نظر اس ساڑھے پانچ فٹ کی "بچی" پہ ڈالی' جس کی کس کے کی گئی دو چوٹیوں میں سے کئی بال نکل کر چہرے اور گردن پہ لہرا رہے تھے' پھوپھی اماں سے لپٹ لپٹ کے رونے کی وجہ سے اس کی ہلکی شربتی آنکھیں اس وقت بالکل روح افزا کے رنگ کی ہو رہی تھیں اور عاکف کے ڈھیلے ڈھالے سوئٹر میں ملبوس وہ اس کی لمبی لمبی آستینوں میں اپنی مٹھیاں تک چھپائے کھڑی تھی اور تھوڑی دیر بعد اسی سوئٹر میں ملفوف مٹھی سے موٹی سی گلابی ناک رگڑ کے شوں شوں کرتی وہ ابراہیم کو زہر لگ رہی تھی بلکہ اگلے ہی لمحے اسے بے فکری سے ادھر ادھر "جھاتیاں" (تاک جھانک) مارتا عاکف بھی برا لگنے لگا کیونکہ اب پھوپھی اماں نے اپنا ہدایت نامہ اس پر انڈیلنا شروع کر دیا تھا۔

"کو! میرے بچے' بہنوں کو زیادہ تنگ نہ کرنا اور موتی سے تو بالکل لڑائی نہیں کرنی۔ سن لیا' مجھے واپسی پہ کوئی شکایت سننے کو نہ ملے۔ دن بھر بھلے خوار ہوتے رہنا مگر خدا کے واسطے رات کو گھر وقت پہ پہنچ جایا کرنا۔ ابراہیم نے بھی ڈیوٹی پہ نکلنا ہوتا ہے کوئی تمہارے گھر کی چوکیداری کے واسطے دن رات بیٹھا نہیں رہے گا۔"

وہ مڑیں تو ان کی دیکھا دیکھی امی جان کو بھی ہڑک اٹھی' فوراً ابراہیم کو تاکید کرنے لگیں۔

"بیٹا! آج ہی سارا کام نمٹا لینا' گھر اچھی طرح لاک کر کے ساری ضرورت کی چیزیں ساتھ لے کر پھوپھی کے گھر چلے جانا۔ تمہارے چھوٹے بہن بھائی ہیں ذمہ داری سے خیال رکھنا ان کا۔ تمہارے دم سے آپا کو بھی حوصلہ رہے گا ورنہ یونہی پریشان ہوتی رہیں گی۔"

"جی امی۔۔۔" بڑی مشکل سے اس نے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی۔ اب پتا نہیں وہ کتنی مطمئن ہوئیں' ہوئیں بھی یا نہیں۔

"چلو بھئی اب اندر چلنے کی کرو۔"

ابو جان کا فقرہ اسے حیاتِ نو کی مانند لگا۔ ارد گرد کھڑے سب ہی عازمین حج اپنے پیاروں سے ملنے کے بعد سامان سمیت اندر جانے کی تیاری میں تھے۔ بادل نخواستہ امی اور پھوپھی اماں نے بھی اپنی اپنی اولاد کو مزید ہدایتوں سے فیض یاب کرنے کا طویل دورانیے کا پروگرام سمیٹا۔

موتی نے لمبی سی سسکی بھر کے پھوپھی اماں کو الوداعی "جپھی" ڈالی۔ امی جان کا نرم گرم سا ہاتھ اس کے سر سے ہوتا مضبوط شانوں تک ٹھہر گیا۔ ان کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کے ابراہیم کا سر خود بخود ہی ان کے آگے جھک گیا۔ انہوں نے بیٹے کی روشن پیشانی پہ ایک پیار بھرا بوسہ ثبت کیا۔ سیدھے ہوتے ابراہیم کی نگاہ امی کے پیچھے کھڑے ابو جان پہ پڑی۔ وہ آگے بڑھ کے ان کے گلے لگ گیا۔ پچھلے کئی دن سے باپ بیٹے کے درمیان جو ہلکی سی سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔ یک لخت چھٹ گئی۔ اس کی چوڑی پشت تھپکتے ہوئے معظم علی نے آہستہ سے کہا۔۔

"کہا سنا معاف کرنا بیٹا!"

"ابو جان!" وہ تڑپ گیا۔ باپ کے گرد اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔ یہ مختصر سا جملہ اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبو گیا۔

"تمہاری ماں نے مجھے منع کیا تھا کہ سفر پہ نکلتے ہوئے بیٹے سے ایسا کوئی ذکر مت چھیڑنا جو کسی تلخی کا باعث بنے مگر میں جاتے جاتے صرف اتنا کہوں گا بیٹا! کہ ایک فرض میں ادا کرنے جا رہا ہوں' دوسرے فرض کی ادائیگی تم پہ قرض ہے' اس کے بارے میں سوچنا ضرور۔۔۔ میں مجبور نہیں کر رہا' صرف سوچنے کا کہہ رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں' تم نے اس بارے میں سوچنے تک کی زحمت نہیں کی۔"

وہ سرگوشی میں کہتے رہے۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے سنتا رہا' کیا کہتا' سچ تو یہی تھا اس نے یہ بات سنتے ہی فٹ اختلاف کا پرچم بلند کر دیا تھا اور سوچنے کی

ضرورت بھی کیا تھی۔ انکار کی اچھی خاصی وجوہات تھیں۔ زندہ سلامت۔۔۔ ایک تو نیرا اور دوسری خود موتی۔

آدھے پونے گھنٹے تک ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر بھی ان سب کا جی نہ بھر رہا تھا لیکن جانا تو تھا' در پھر جہاں جانا تھا' اس کی کشش بھی اتنی بھرپور تھی کہ گھر تو کیا بندہ سارا جہاں چھوڑ کے بھی وہاں جانا چاہے۔

☼ ☼ ☼

ایرپورٹ سے واپس گھر جاتے ہوئے سب ہی چپ چپ تھے بس کبھی کبھار ندرت کی گود میں لیٹی گڑیا کسی نامعلوم سی وجہ کے تحت ایک احتجاجی چیخ ضرور بلند کرتی جس کے سدباب کے لیے وہ گرم کپڑوں اور کمبل میں ملفوف اس چوہیا سی سات ماہ کی بچی کو زور زور سے تھپکنا شروع کر دیتی۔ اس کے دونوں بیٹے اسکول میں تھے ورنہ اس وقت اس مختصر سی سوزوکی ایف ایکس میں بھونچال آیا ہوتا۔

صدف خاموشی سے باہر تک رہی تھی جبکہ اس کے شانے پہ اپنا بکھرے بالوں والا سر بے فکری سے ڈالے موتی بے سدھ سو رہی تھی' اس کے گرد صدف کی شال لپٹی ہوئی تھی' ابراہیم نے جب بھی اسے دیکھا' کسی نہ کسی کے کپڑوں میں ہی دیکھا' کبھی عاکف کے کھلے سے پشاوری چپل پہنے پھر رہی ہوتی' کبھی پھوپھی اماں کی مختصر سی چپل میں پیر پھنسائے سڑپڑ کر رہی ہوتی۔ اس وقت بھی اس نے عاکف کا ہی کھلا سا سرخ اور کالے چیک کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ کچھ دیر قبل براؤن اور اسکن کلر کی لائننگ والی شال جو صدف لپیٹے ہوئے تھی اب موتی کے اوپر تھی۔

ابراہیم نے بیزاری سے بیک ویو مرر سے نظر ہٹائی۔ ساتھ کی سیٹ پہ بیٹھے عاکف پہ نظر گئی تو اسے بھی اونگھتا پایا۔ یقیناً" ساری رات پھوپھی اماں نے اپنے ان دو لاڈلوں کو سونے نہ دیا ہو گا۔ ایرپورٹ جاتے ہوئے اس کی گاڑی میں ابو اور امی کے ساتھ پھوپھی اماں بھی تھیں اور وقفے وقفے سے مڑ کے پیچھے آتی ٹیکسی کو دیکھے جاتیں جس میں اس وقت یہ چاروں سوار تھے۔

"آئے ہائے' ان کی عقل تو دیکھو' صبح سویرے کا وقت' کڑاکے کی سردی اور دھند' کھڑکی کے شیشے اتار رکھے ہیں۔ یہ عاکف تو موٹی کھال کا ہے۔ صدف نے بھی شال سے منہ سر لپیٹ رکھا ہے لیکن موتی کو تو ٹھنڈ بڑی جلدی لگتی ہے اور وہ ندرت کی گود میں گڑیا بھی تو ہے' اکڑ گئی ہو گی ننھی سی جان۔"

آخر رہ نہ سکیں اور گاڑی رکوا کے ان کے خوب لتے لیتے ہوئے شیشے چڑھوائے۔ اگر اللہ کے گھر جانے کی خواہش اتنی شدید نہ ہوتی تو بھلا کب حوصلہ کر پاتیں وہ کہیں جانے کا۔

"آپا! آپ کو گھر اتار دوں یا یہیں اتریں گی؟"

پھوپھی اماں کی تنگ سی گلی کے نکڑ پہ گاڑی روکتے ہوئے ابراہیم نے پوچھا۔

"یہیں اتار دو' میں ببلو کی دادی سے کہہ آئی تھی کہ چند گھنٹے سنبھال لیں بچوں کو۔ شام کو ان کے بابا مجھے لیتے جائیں گے۔ اب بھلا تم کہاں یہاں سے ڈھوک چوہدریاں تک جاؤ گے۔"

وہ خاموش ہی رہا' جتنا تکلف نبھانا تھا۔ نبھا چکا' جانتا تھا سرسری سا بھی اخلاق مزید برتا تو نہ صرف اتنی ٹریفک میں سے گزر کے ڈھوک چوہدریاں تک انہیں چھوڑنے جانا پڑے گا بلکہ ہو سکتا ہے وہ میکے میں ہر بار تشریف آوری کرتے ہوئے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری اسے ہی سونپ دیں۔ ندرت جو اپنی بات کہہ دینے کے بعد بھی اندر ہی بیٹھی تھی' ابراہیم کی مصلحت بھری خاموشی پہ مایوس ہو کے اتر ہی گئی۔ ظاہر ہے اب شام کو اعجاز بھائی کے ساتھ سوزوکی پک اپ میں ڈھیروں مسافروں کے ساتھ لد کے جانا کوئی اتنا خوشگوار بھی نہ ہوتا تھا۔

"ابراہیم بھائی! آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

عاکف نے لمبی سی جمائی لینے کے بعد پوچھا۔
"نہیں۔ ابھی تو نہیں، میں کل صبح ڈیوٹی کے بعد سیدھا یہیں آجاؤں گا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
"چڑھا آئے امی ابو کو؟" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے عقب سے سائرہ آنٹی کی آواز آئی۔ بے تحاشا آتی نیند کو کچھ دیر کے لیے ٹالتا ہوا وہ الٹے قدموں نیچے اتر آیا۔
"آؤ ناشتہ کرلو۔ بہت دیر کردی تم نے۔ اچھا ہوا میں نے پراٹھے نہیں ڈالے ورنہ ٹھنڈے ہوجاتے۔ تم بیٹھو، اخبار پڑھو۔ میں بس ابھی ناشتہ لے کر آتی ہوں۔"
"آنٹی! ناشتہ تو میں نے صبح کرلیا تھا۔"
"صبح۔۔۔ کہاں۔۔۔ ائرپورٹ؟" وہ چونکیں۔
"جی نہیں، ڈیوٹی سے میں سیدھا وہاں۔۔۔ پھوپھی اماں کے گھر گیا تھا۔ فلائٹ تو دس بجے کی تھی۔ آٹھ بجے انہیں لے کر مجھے ہی تو ائرپورٹ تک جانا تھا۔"
وہ خوامخواہ ہی وضاحتیں پیش کرنے لگا۔ سائرہ آنٹی نے خاموشی سے سرہلایا۔
"اچھا، چائے تو پیو گے؟"
"جی، لیکن آپ عنایت کے ہاتھ اوپر ہی بھجوا دیجیے۔" اسے اٹھتا دیکھ کے سائرہ آنٹی شرارت سے مسکرائیں پھر چھیڑنے کے انداز میں کہنے لگیں۔
"ہاں بھئی، تم کیوں بیٹھنے لگے یہاں۔۔۔ اس وقت نیرا تو گھر پہ ہوتی نہیں جس کی کشش تمہیں باندھ کے رکھ دے۔"
"آنٹی! آپ بھی بس۔" وہ خجل سا ہوگیا۔
"درست کہہ رہی ہوں۔ ابھی وہ ہوتی تو میں دیکھتی، کس طرح تم یہاں سے اٹھتے۔"
ابراہیم سرنیچا کیے مسکرانے لگا۔ آنٹی کی بے تکلفی بھی کبھی اسے ایسے ہی شرمندہ کردیتی تھی۔
"نہیں آنٹی! بس میں چاہ رہا تھا، چائے آنے تک فریش ہوجاؤں۔"
ساری رات کی سخت ترین ڈیوٹی کے بعد تو اسے یوں بھی سخت نیند آیا کرتی تھی اور وہ دن کو کئی کئی گھنٹے سویا کرتا لیکن چونکہ پچھلے دو دنوں سے امی اور ابو کے آجانے کی وجہ سے اس کی دن کی نیند کا دورانیہ بھی کم رہا تھا اس لیے اس وقت نیند کا غلبہ بھرپور تھا۔ اسٹرونگ چائے کا گرماگرم کپ بھی اس پہ چھائی غنودگی کم نہ کرسکا۔ وہ یوں بے سدھ سویا کہ شام کو چھ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں اور لاؤنج میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف سائیڈ ٹیبل پہ پڑے کلاک کے چمکتے ہندسے اندھیرے میں جگمگا رہے تھے۔ اس نے جھٹکے سے کمبل پرے کیا اور پہلے بیڈروم کی پھر لاؤنج اور ٹیرس کی لائٹیں آن کرنے لگا۔ اندھیرے سے اسے وحشت ہوتی تھی اور مغرب کے بعد لائٹیں آن کرنے کا معمول امی جان سے خودبخود اس میں منتقل ہوگیا تھا۔ روشنی پھیلتے ہی سیڑھیوں سے ٹک ٹک ہیل کی آواز ابھرنے لگی۔ ابراہیم کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فوراً واش روم کا رخ کیا۔ پانچ منٹ کے بعد جب وہ ذرا بہتر حلیے میں باہر نکلا تو نیرا کو لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلتے پایا۔
"او گاڈ! اتنی لمبی نیند۔"
"السلام علیکم۔۔۔" ہمیشہ کی طرح نیرا کی جلد بازی اور بے تابی پہ ٹوکتے ہوئے وہ اس کی لائی کافی کی طرف متوجہ ہوا۔
"وعلیکم السلام" اور ہمیشہ کی طرح نیرا نے اس کے اس طرح جتانے پہ چبا چبا کے سلام کا جواب دیا۔ اسے ابراہیم سے سخت شکایت تھی کہ پچھلے دو دن سے وہ مسلسل نظرانداز ہورہی ہے۔ اسے امی، ابو کے آنے، پھوپھی اماں کی طرف ٹھہرنے اور حج پہ جانے کی تمام مصروفیات دوبارہ سے بتاتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے ابراہیم دل ہی دل میں خوف زدہ ہورہا تھا کہ اگر نیرا کو یہ پتا چل جائے کہ وہ ان کے واپس پاکستان آنے تک پھوپھی اماں کی طرف ٹھہرنے والا ہے تو شاید اسے منانے میں اگلے کئی دن لگ جائیں۔
"چلو ٹھیک ہے جو ہوا سو ہوا، معاف کیا۔" بڑی شاہانہ سی نزاکت کے ساتھ نیرا نے اپنا موی ہاتھ لہراتے ہوئے اس کی گلوخلاصی کی۔ "لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ معافی ملنے کے بعد تم تلافی کا ارادہ بھی ترک کردو۔ کل سے میرے کالج آنے سے بھی آدھ گھنٹہ پہلے تم جاگ جایا کرو گے۔ اور میرا انتظار۔۔۔ نہیں بلکہ مجھے کالج سے پک کرو گے، ہم ایک اچھا سا لنچ لیا کریں گے۔ دوپہر میں گھر پہ کارڈز کھیلیں گے، کیرم کی بازی لگا کرے گی، اچھی اچھی موویز دیکھیں گے پھر شام کو ڈیوٹی پہ جانے سے پہلے تم میرے ساتھ کا ڈنر کیا کرو گے، ٹھیک۔۔۔۔۔"
ابھی ابراہیم سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کئی روزہ پروگرام کے جواب میں وہ اپنا پروگرام کیسے سنائے کہ نیرا کی توجہ کاریڈور میں دھرے بیگ اور بریف کیس پہ پڑی۔
"یہ۔۔۔ یہ کس کا ہے؟"
"میرا۔" وہ ذرا سا کھنکھارا اور تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "دراصل پھوپھی اماں حج پہ تو جانا چاہ رہی تھیں لیکن گھر اور بچوں کی وجہ سے فکرمند تھیں۔ اس لیے ابو نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی انہیں تسلی کرادی کہ ان کی غیرموجودگی میں میں اتنے دن وہیں ان کے گھر رہوں گا۔"
"تت۔۔۔ تم۔۔۔" غصے اور حیرت کی زیادتی سے نیرا اس سے زیادہ کچھ بول ہی نہ سکی، لب بھینچے قاتل نگاہوں سے اسے گھورتی رہی۔ ابراہیم نے اس حادثاتی خاموشی کو غنیمت جانتے ہوئے وضاحت جاری رکھی۔
"میں چاہتا تو بعد میں انکار کرسکتا تھا لیکن ایک اور انکار کا مطلب ہوتا ابوجان کی مزید ناراضی۔ تم جانتی ہو کہ ان کے فیصلے کو رد کرکے اور اپنی مرضی ان کے آگے رکھ کے میں نے پہلے ہی امی ابو دونوں کو خفا کردیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کی ناراضی اور غصے کے باوجود میں ان کا یہ فیصلہ ہرگز قبول نہیں کروں گا لیکن یہ دوسری بات۔۔۔ یہ نسبتاً کم ناقابل قبول اور عارضی سی ہے۔ اس کے ماننے سے نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہے۔ میں چاہتا تھا کہ جاتے جاتے ابوجان کا دل میرے لیے نرم ہوجائے۔ ایسے میں وہاں رہنے سے صاف انکار کرکے میں مزید حالات کیسے خراب کرلیتا۔"
اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔ مبادا اس کی بات سنے بغیر ہی نیرا پھٹ پڑے۔
"تم حالات ہموار کرنے والا کوئی کام بھی تو نہیں کر رہے۔ تم نے اپنے ابو کو اصل وجہ بتائی ہوتی اپنے انکار کی تو وہ اتنا ناراض کبھی نہ ہوتے۔ میں کہتی رہ گئی کہ ان کی روانگی سے پہلے بس ایک بار یہ بات کرلو مگر تمہاری ہمت ہی نہ ہوئی۔ البتہ وہ جاتے جاتے اچھا انتظام کرگئے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تمہیں اس گھر کا پابند کرگئے تاکہ ان کی غیرموجودگی میں بھی تم یہ بات فراموش نہ کرسکو بلکہ اگر صبح شام چلتے پھرتے ہر وقت وہ لڑکی تمہاری نظروں کے سامنے رہی تو شاید تم اپنی ضد سے ہٹ بھی جاؤ۔۔۔ ہے نا۔"
"حد ہوگئی۔۔۔۔ یعنی۔۔۔ اتنی بدگمانی۔۔۔ نہیں نیرا! ابوجان تو صرف۔۔۔۔۔"
وہ چاہتے ہوئے بھی اس کا تجزیہ رد نہ کرسکا۔ پہلے اسے یہ خیال ہی نہ آیا تھا کہ ابوجان کے اس اقدام کے

زندگی کی حقیقتوں اور جذبات سے گندھی
آپ بیتیاں، جگ بیتیاں
عمران ڈائجسٹ کا نیا سلسلہ
"سچی داستانیں"
قارئین کو دعوت دی جاتی ہے۔ کوئی بھی واقعہ سچی کہانی، آپ بیتی، جو آپ کے ذہن میں ہے، ہمیں لکھ کر بھیجیں۔ ہم اس کی نوک پلک سنوار کر شائع کریں گے۔ خط لکھنے کے لیے پتا۔
ادارہ عمران ڈائجسٹ۔ ۳۷۔ اردو بازار کراچی

پیچھے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے لیکن اب نیرا نے توجہ دلائی تو اسے بھی شک ہونے لگا کہ ہو نہ ہو مجھے وہاں ٹھہرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ لیکن دل ہی دل میں ابو جان سے خائف ہونے کے باوجود وہ نیرا کے سامنے اس کے اندیشے کو ہوا نہ دے سکا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ دراصل پھوپھی اماں نے اپنے بچوں کی تربیت بالکل ایسے کی ہے جیسے کوئی مرغی اپنے چوزے پروں تلے چھپا کے پالتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کڑی نگہداشت کے نتیجے میں ان میں خود اعتمادی اور احساس ذمہ داری کہاں سے آئے گی بس یہی وجہ ہے میرے وہاں ٹھہرنے کی۔ رہی بات میرے اس لڑکی کے بارے میں سنجیدہ ہونے کی تو یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم نے اسے دیکھا نہیں۔ بلیو می نیرا! اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ تم میرے حوالے سے یوں عدم تحفظ کا شکار ہو۔"

اس نے اپنے طور پہ تسلی دینا چاہی لیکن نیرا الٹا بگڑ گئی۔

"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ ذرا سی بھی حسین ہوتی تو پھر میرے لیے ضرور خطرہ بن سکتی تھی۔ تو مسٹر ابراہیم! زمانے میں مجھ سے حسین اور لڑکیاں بھی ہوں گی اور کئی ہوں گی' مجھے تو ہر لمحہ عدم تحفظ کا شکار ہونا چاہیے۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم سے حسین بھی کوئی اور ہے؟"

اس نے گہری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے حسنِ بے پرواہ کے توبہ شکن مجسمے کو دیکھتے ہوئے کہا اور ابراہیم کی توقع کے عین مطابق اس کا سارا طیش بس اس ایک جملے کی مار بھی نہ سہہ سکا اور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ ٹائٹ ٹراؤزر میں دونوں ٹانگیں صوفے پہ سمیٹے بیٹھی تھی' بلیک ویلوٹ کے فٹنگ والے ٹراؤزر میں سے پنڈلیوں کا سڈول پن واضح ہو رہا تھا اور گورے نازک ٹخنوں کی جھلک بار بار ابراہیم کا دھیان بٹا دیتی تھی۔ نیٹ کا دوپٹہ آدھا گود میں پڑا تھا اور آدھا نیچے کارپٹ پہ گرا ہوا تھا۔ شولڈر کٹ سرخی مائل براؤن بال ناز سے جھلکتی اور آلوچہ کے رنگ کی لپ اسٹک سے سجے گداز لبوں کو شرارت سے دبا کر مسکراتی وہ ابراہیم کے ہوش اڑانے لگی۔

"میں تیار ہو کے آئی ہوں' مجھے ڈنر پہ لے کے جاؤ۔"

"تیار۔ کیا ابھی تمہیں اور بھی تیار ہونا ہے؟"

وہ حیرت سے اس کے نک سک سے درست حلیے کو دیکھنے لگا۔ سیلف پرنٹ ویلوٹ کے اسٹائلش سے ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں ملبوس لائٹ میک اپ اور سلور نازک سی جیولری کے ساتھ وہ خاصی اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

"ہاں تو اور کیا؟ آج تم مجھے پی۔ سی میں ڈنر کرا رہے ہو اچھا....."

وہ تو آرڈر دے کے مڑ گئی۔ ابراہیم حساب لگانے لگا کہ کس وقت تک ڈنر کے لیے نکلا جائے تاکہ پی۔ سی سے چکلالہ تک واپس نیرا کو ڈراپ کرنے کے بعد وہ ٹائم پر ڈیوٹی کے لیے پریس پہنچ جائے۔ اچھا خاصا لمبا چکر تھا۔ پہلے اس نے سوچا۔ نیرا کو پی۔ سی کے بجائے یہیں اسکیم تھری میں کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے پہ آمادہ کر لے لیکن پھر اس نے خود ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مشکلوں سے تو اس کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ وہ ڈریس اپ ہونے کے لیے اٹھا تو راستے میں پڑے سوٹ کیس کو دیکھ کے ٹھٹکا۔ ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا اور وہ قریبی صوفے پہ گرنے کے انداز میں ڈھیر ہو گیا۔

"او نو' مجھے کل صبح ڈیوٹی کے بعد پھوپھی اماں کے گھر رہنے جانا ہے۔ صبح صبح تو نیند اور تھکن کے مارے اتنی بری حالت ہوتی ہے پریس سے ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں تک آکر سامان لے کر دوبارہ پھوپھی اماں کے گھر تک جانا کس قدر مشکل ہے اور ساری رات سامان ساتھ بھی تو نہیں رکھ سکتا۔ بریف کیس اور بیگ کی تو خیر ہے لیکن کمپیوٹر بھی ہے اور وہ جاگنگ مشین بھی۔ وہ سب تو ڈگی میں رات بھر نہیں چھپ سکتا۔ پارکنگ کی سیکورٹی تو ایک دم ناقص ہے۔"

واحد حل یہی تھا کہ وہ ڈیوٹی پہ نکلتے ہوئے راستے میں رک کر یہ سارا سامان پھوپھی اماں کے گھر پہنچا دے۔ اگر نیرا ساتھ ہوئی تو کسی نہ کسی بدمزگی کا اندیشہ تھا اور ڈنر سے فارغ ہو کر اسے ڈراپ کرنے کے بعد یہ فریضہ انجام دیتا تو پریس سے لیٹ ہو جاتا۔ ناچار اس نے اول الذکر حل پہ عمل کرنے کا سوچا اور دل گردہ مضبوط کر کے نیرا کا سامنا کرنے کی ہمت مجتمع کرنے لگا۔ پہلے اس نے عنایت کی مدد سے سارا سامان گاڑی میں منتقل کیا' اپنا کمرہ لاک کیا' ٹیرس کے علاوہ تمام لائٹس آف کر کے وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترا۔ نیچے لاؤنج میں انکل کیبل سے جی بہلا رہے تھے۔

"ہاں بھئی ابراہیم! بڑے دنوں بعد سامنا ہوا۔"

"جی بس وہ مصروفیت ہی کچھ ایسی رہی۔ امی اور ابو لاہور سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں حج کے لیے روانہ کرنا تھا۔"

وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ادھر کدھر دیکھنے لگا۔ نیرا کے روم سے برٹنی سپیئر کا Evening Party حلق پھاڑ رہا تھا۔

"بھئی۔ تمہاری آنٹی تو کسی پارٹی میں گئی ہیں۔ نیرا اندر ہی ہو گی۔ جاؤ چلے جاؤ۔"

انہوں نے ریموٹ پر بے چینی سے انگلیاں تھرکاتے ہوئے کمال بے اعتنائی سے اجازت دی۔ پچھلے دو تین ماہ میں انکل اور آنٹی دونوں کے کھلے ڈلے مزاج سے اچھی خاصی آگاہی ہو جانے کے باوجود وہ اس اجازت پہ ہکا بکا رہ گیا۔

"جی؟" اسے لگا شاید سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ بھلا انکل اپنی بیٹی کے کمرے میں ایک جوان جہان کڑائے دار مرد کو جانے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

"تم تو جانتے ہو' وہ تیار ہونے میں کتنا وقت لیتی ہے۔ کب تک یوں بیٹھے انتظار کرتے رہو گے۔ اس کا ڈیک فل والیوم میں بج رہا ہے۔ یہاں سے آواز دی تو کبھی نہ سن سکے گی۔ جاؤ شاباش' بلا کے لاؤ اسے..... تمہیں دیر ہو رہی ہو گی۔"

انہوں نے بصد اصرار ابراہیم کو اٹھایا۔ شش و پنج کا شکار ابراہیم کوریڈور تک جا کے یونہی ذرا سا پلٹا تو اچٹتی سی نظر ٹی وی اسکرین تک گئی اور آنکھیں جیسے پوری کھل گئیں۔ چینل ایک بار پھر چینج ہو چکا تھا۔ فیشن ٹی وی پہ انکل اس وقت بلیک بیوٹی نومی کیمبل کی کیٹ واک دیکھ رہے تھے اور شاید یہی وجہ تھی اسے "فوراً" سے پیشتر لاؤنج سے غائب کرنے کی۔ وہ لاحول پڑھتا دائیں جانب مڑ گیا۔ دو تین بار زور زور سے ٹھک ٹھک کرنے کے بعد دروازہ کھلا اور نیرا کی صورت نظر آنے سے پہلے اس کی آواز سنائی دی۔

"او ہو' کیا ہے پاپا؟" وہ جھلائی پھر اسے دیکھ کر سٹپٹا سی گئی۔

"بس دو منٹ..... آجاؤ۔" کیمل کلر کی لانگ اسکرٹ کے اوپر اس نے ہاٹ ریڈ کلر کی ہائی نیک پہن رکھی تھی اور ان ہی دو رنگوں کے امتزاج کا خوبصورت اسکارف اس کی لانبی گردن پہ لپٹا ہوا تھا۔ ریڈ لپ اسٹک اس کے بے تحاشا گوری رنگت والے چہرے پہ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"بس یہ شوز پہن لوں' تو نکلتے ہیں۔" ریڈ لیدر کا شولڈر بیگ شانے پہ لٹکا کر ہائی ہیل سینڈل میں پاؤں پھنساتے ہوئے اس نے نظر اٹھا کر ابراہیم کو تسلی دینا چاہی۔ اس نے غور کیا' نیرا کی آنکھوں کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے گرے لینس لگا رکھے تھے اور اب لائٹ براؤن لگے ہوئے تھے۔

"وہ..... نیرا..... کیا ہوا کہ..... دراصل ابھی ابھی آفس سے فون آیا ہے کہ کوئی ایمرجنسی ہے۔ مجھے ڈیوٹی پہ دو گھنٹے پہلے پہنچنا ہو گا۔ تو اس وجہ سے....." نیرا کی خشمگیں نگاہیں اسے بوکھلائے دے رہی تھیں۔

"تو..... تو کیا.....؟ سیدھی طرح کہو نا کہ مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ یہی بات ہے نا؟" تیز لہجے میں کہتے کہتے نیرا ایک دم بیڈ پہ گر کر سسکنے لگی' وہ اور بھی بوکھلا گیا۔

"او پلیز نیرا! پلیز رو مت..... بچوں کی طرح بی ہیو مت کرو۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ' میری نئی نئی جاب ہے۔ سیٹل ہونے میں ٹائم لگے گا۔ میں اپنی ڈیوٹی اگنور کرنا

افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے تو افورڈ کر سکتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ لیکن تم تو میری پرابلم سمجھو۔ اچھا دیکھو' پکا پرامس' کل نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ آؤٹنگ پہ بھی چلیں گے۔"

"میں اسلام آباد جاؤں گی۔ سپر مارکیٹ میں بڑے اچھے نئے پرنٹ آئے ہیں۔ کب سے ماما سے کہہ رہی ہوں لے چلیں۔"

"او کے۔۔۔۔ ڈن۔۔۔۔" بمشکل بہت سے وعدوں' تسلیوں سے بہلا کر وہ یہاں سے نکلا۔ اگر سچ بتا دیتا تو شاید زیادہ دیر لگ جاتی وضاحتوں میں' جب وہ راجہ بازار میں باڑہ مارکیٹ کی بیک پر نیا محلہ میں پہنچا تو آٹھ بجنے والے تھے۔ عاکف لپک کے آیا اور اس کا سامان اندر پہنچانے لگا۔

"آپ۔۔۔۔ آپ تو صبح آنے والے تھے۔" صدف نے کچھ حیرت کچھ پریشانی سے پوچھا تو وہ چڑ گیا (ایک تو یہاں آنے کی وجہ سے اتنی دیر تک نیرا کے ساتھ سر کھپانا پڑا اور یہ محترمہ اعتراض کر رہی ہیں کہ آپ تو صبح آنے والے تھے)

"واپس چلا جاتا ہوں۔" بے حد خشک انداز میں کہے گئے اس مختصر جملے نے صدف کو مزید حیران پریشان کر دیا۔

"جی؟ میرا مطلب یہ نہیں تھا' میں تو صرف۔۔۔۔"

"میں صبح ہی آفس گیا' ابھی صرف سامان آیا ہے۔" صدف کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا۔ اب وہ قدرے نرمی سے بولا۔

"آپ چائے پئیں گے؟"

"چائے۔۔۔ ہوں۔۔۔ نہیں۔ ایسا کرو۔ مجھے کھانا لا دو' میں آل ریڈی خاصا لیٹ ہو چکا ہوں۔ نو بجے تک مجھے پریس پہنچنا ہے۔ میں نے آج لنچ بھی نہیں کیا۔"

وہ بھوک کا احساس ہوتے ہی وہیں بیٹھ گیا۔ اب تو خاصے دن یہاں ہی رہنا تھا' تکلف کتنے دن تک چلتا۔ ویسے بھی ریسٹورنٹ جانے کا ٹائم بھی تو نہ رہا تھا ورنہ اسے تکلیف نہ دیتا کیونکہ اس وقت وہ دس بارہ بچوں میں گھری بیٹھی انہیں ٹیوشن دے رہی تھی۔

"آپ نے لنچ بھی نہیں کیا؟" وہ پھرتی سے اٹھی۔ پریشانی کے رنگ مزید گہرے ہو گئے۔

ابراہیم نے سر جھٹکا (محترمہ کو ہونق نظر آنے کا زیادہ ہی مراق ہے) ساتھ ہی کچن میں کھٹر پٹر کی آوازیں اور عاکف کو پڑنے والی بلند پکاریں سنائی دینے لگیں۔

دس منٹ یونہی گزر گئے تو ابراہیم نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ٹائم دیکھا۔

"ہو سکتا ہے' پڑھانے کی مصروفیت میں اس نے اب تک کھانا تیار ہی نہ کیا ہو۔ اس نے سوچا اور کمرے سے باہر جھانک کے دیکھا۔ موتی ایک ہاتھ میں چارہ اٹھائے اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کی رسی تھامے اندر گھسیٹتی لا رہی تھی۔

"آپ نے راجہ کو دیکھا؟" جواباً ابراہیم نے ایک سرد آہ بھری۔ پچھلے تین ماہ میں وہ جتنی بار بھی اس گھر میں آیا۔ موتی نے اپنے لاڈلے بکرے کا تعارف اس سے یہی کہہ کر کروایا تھا۔

"دیکھیں ذرا' کتنا موٹا اور تگڑا ہو گیا ہے۔ میں روزانہ اسے اپنے ہاتھ سے "پٹھے" (چارہ) ڈالتی ہوں۔ چچی جان تو کہہ گئی ہیں کہ راجہ کی طرف سے میں موتی کی وجہ سے بالکل بے فکر ہوں۔"

"اسے لے جا کہاں رہی ہو؟"

"اندر کچن کے ساتھ والے اسٹور میں باندھوں گی۔ رات کو سردی ہوتی ہے صحن میں۔"

"تمہاری آپا کہاں ہیں؟"

"میری آپا؟" اس کی بڑی بڑی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ "میری تو کوئی آپا نہیں۔"

"اوہو۔۔۔ وہ صدف؟" وہ سخت جھنجلایا ہوا تھا۔

"اچھا۔۔۔ آپی۔۔۔۔ وہ تو آپی ہیں اور ندرت کو میں باجی کہتی ہوں۔"

ابراہیم اس وقت آپا' آپی اور باجی کے درمیان فرق تلاش کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں جا رہا ہوں' دروازہ لاک کر لو۔"

"کھانا کھا لیجیے میں نے ٹیبل لگا دی ہے۔"

عقب سے صدف کی نرم سی آواز پہ پلٹا۔ دل تو چاہا انکار کرتا ہوا سیدھا باہر نکل جائے لیکن اتنی شائستہ سی پیشکش پہ یوں بدتمیزی کا مظاہرہ کرنا خود اسے مناسب نہ لگا۔ خاموشی سے آ کر ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ گیا۔ سادگی سے کٹی تازہ سلاد' خشک پودینہ چھڑکی ہوئی گاڑھی دہی' مونگ کی کھڑی بھنی ہوئی دال اور لیموں کا اچار ٹیبل پہ سجا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے صدف نے نئے دسترخوان میں لپٹے گرما گرم پھلکے اور شیشے کی بیضوی پلیٹ میں سنہری تلے ہوئے شامی کباب بھی آگے دھر دیے۔

"عاکف کہاں ہے؟" اسے اکیلے کھانا کھانا مناسب معلوم نہ ہوا تو دریافت کر بیٹھا۔ اسی اثنا میں کال بیل کی آواز آئی۔

"لو شیطان کا نام لیا اور شیطان حاضر۔"

موتی جست لگا کے باہر دروازہ کھولنے گئی۔ عاکف نے آتے ہی ہاتھ میں پکڑا شاپر کھولا اور ٹیبل پہ موجود خالی پلیٹ میں گرما گرم چکن تکے الٹنے لگا۔

"سوری بھائی جان! تھوڑی دیر ہو گئی' رش بہت تھا۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "جب گھر میں کھانا پکا ہوا تھا تو باہر سے لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"دراصل مجھے علم نہیں تھا کہ آپ رات کو۔۔۔ غلطی میری ہی ہے مجھے آپ کے لیے اہتمام کر کے رکھنا چاہیے تھا۔" صدف اس کی پلیٹ میں تکے اٹھا اٹھا کے رکھنے لگی۔

"اہتمام کس لیے؟ میں کوئی مہمان ہوں اور پلیز' آئندہ یہ تکلف مت کرنا ورنہ مجھے یہاں اطمینان اور بے تکلفی سے رہنے میں مشکل پیش آئے گی۔"

اس نے پھوپھی اماں کے ناسازگار گھریلو حالات اور سادہ طرز زندگی کی وجہ سے کہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ مونگ کی دال اور اچار دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ وہ پہلے اتنا چٹورا ہرگز نہ تھا' اگرچہ دال اور سبزی بچپن سے ہی زیادہ نہ بھاتی تھی لیکن پھر بھی امی جان کھانا

متوازن ہی رکھتیں۔ ہفتے میں ایک آدھ بار منہ کا ذائقہ بدلنے کو دال بھی کھالی جاتی لیکن جب سے وہ چکلالہ میں بنے فریج ولاز اسکیم کے اس آف وائٹ دیواروں اور گرین دروازوں والے بنگلے میں بطور پے انگ گیسٹ آیا تھا' اسے نت نئے پر تکلف کھانوں کی چاٹ پڑ گئی تھی اور نیرا سے دن بدن بڑھتی دوستی نے اسے ہوٹلنگ کی لت بھی ڈال دی۔ لیکن جو بھی تھا' پھوپھی اماں کی غیر موجودگی میں وہ ان کے گھرانے کو زیربار نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے دل ہی دل میں ارادہ کرلیا کہ جتنے دن وہ یہاں رہے گا' وہ تمام رقم صدف کو دے دیا کرے گا جو کہ وہ دو وقت کے کھانے اور ناشتے کی مد میں سائرہ آنٹی کو الگ سے پکڑایا کرتا تھا (کرائے کے علاوہ)

☼ ☼ ☼

اسے یہاں آئے تیسرا روز تھا۔ اور پچھلے دو دن جو اسے نیرا کی ناز برداری کرنا پڑی تھی کہ اسے ایسا لگنے لگا تھا کہ جیسے اس نے یہاں آکر کوئی جرم کرلیا ہے جس کی پاداش میں اسے اپنی آدھی تنخواہ نیرا کی شاپنگ پہ لٹانی پڑی۔ کبھی کبھی تو اسے نیرا کا رویہ بڑا عجیب سا لگتا۔ اس کی بے تکلفانہ فرمائشوں پہ ٹھٹک بھی جاتا لیکن پھر اس کے حسین چہرے پہ چھائی حد درجہ معصومیت اور لہجے سے ٹپکتا بچکانہ اشتیاق کوئی غلط خیال دل میں آنے ہی نہ دیتا۔

"اور کچھ نہیں' بس طبیعت میں لاپروائی زیادہ ہے اور پھر مجھے اپنا سمجھتی ہے' اسی لیے تو بے تکلفی سے فرمائش کروالتی ہے۔"

وہ سر جھٹک دیتا۔ لیکن ان دو دنوں میں جس طرح نیرا نے اسے بوتیکس' سی ڈی شاپس' جیولرز اور ریسٹورنٹس میں پریڈ کروائی تھی۔ وہ پکا ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ بیماری کا بہانہ بنا کے کچھ دن اس سے بالکل ملنے نہیں جائے گا۔ شکر ہے کہ یہاں کا ایڈریس اس کے پاس نہیں تھا ہاں موبائل پہ وہ بار بار آنے کا اصرار ضرور کرسکتی ہے لیکن فون پہ جھوٹ بولنا کون سا مشکل کام تھا۔

وہ ابھی ابھی سو کے اٹھا تھا۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کچھ دیر نرم گرم سی دھوپ کا مزہ لینے کے ارادے سے صحن میں نکلا لیکن کونے میں بندھے "راجہ" کے شور اور گندگی کی بدبو نے پل بھر نہ ٹھہرنے دیا وہ پلٹ کر اندر جانے کو تھا کہ کال بیل کی آواز پہ مڑا۔ دروازہ کھولا تو صدف سامنے تھی۔ آہستگی سے سلام کرتی وہ اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں کینو اور امرود کے تھیلے تھے۔ وہیں تخت پہ دھر کے موتی کو آواز دی۔

"جی آپی۔"

"سوتی! صرف چارہ ڈال دینے سے تو ذمہ داری پوری نہیں ہو جاتی' دیکھو ذرا کس قدر گند پھیلا ہوا ہے صحن میں۔ میں صبح ساری جھاڑو دے کے اور یہ پورا کونا فینائل سے دھو کے گئی تھی۔ تم کم از کم یہ بکھرا ہوا چارہ تو جھاڑو سے ایک طرف لگا دیتیں۔ چلو ساری صفائی کرو صحن کی۔"

"کوے بھی کہیں۔" وہ منمنائی۔

"بائی دے وے' یہ عید سے کئی کئی ماہ پہلے بکرا خریدنا اور پھر اسے اتنے ناز و نعم سے پالنا کیا بہت ضروری ہے۔"

"ضروری تو خیر نہیں لیکن یہ ہمارے گھر کی روایت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ آپ نے کھانا کھالیا؟" اس نے کچن کی طرف مڑتے ہوئے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔ مجھے تو جاگے ہوئے ابھی کچھ ہی منٹ ہوئے ہیں۔"

وہ عموماً اسی وقت جاگا کرتا جب صدف اسکول سے آنے والی ہوتی یا کچھ دیر قبل آئی ہوتی اور وہ یہ سوال کرنا کبھی نہ بھولتی تھی۔ بلکہ جب صبح سویرے وہ ڈیوٹی سے واپس آتا تو وہ اسکول جانے کے لیے بالکل تیار ہوتی لیکن اس کے ناشتے سے غافل نہیں ہوتی تھی' تمام تیاریاں مکمل ہوتیں' ہاٹ پاٹ میں ڈھیر کرکرے پراٹھے' ٹی پاٹ میں دم کی ہوئی چائے اور پیالے میں آملیٹ کے لیے مکس کیا ہوا آمیزہ۔ صدف جاتے جاتے کسی نہ کسی طرح جھنجوڑ کے موتی کو جگانے کے بعد کچن میں لا کھڑا کرتی اور وہ جمائیاں لیتے ہوئے فرائی پان میں یہ آمیزہ الٹ کر تلنے کی زحمت گوارا کرلیتی۔

ابراہیم کو صدف کے اسٹیمنا پر حیرت بھی ہوتی تھی اور رشک بھی آتا تھا۔ کئی گھنٹے پرائمری کلاسز کے بچوں کے ساتھ سر کھپا کے آنے کے بعد بھی وہ کمال کی تازہ دم ہوتی' آتے ہی گھر کے سب کاموں کو اپنے ذمے لے لیتی۔

وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا کیونکہ عاکف گھر پہ نہ تھا اور موتی کو ابھی اس نے دال چاول کی بھری پلیٹ سے نبرد آزما دیکھا تھا۔ اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ صرف اس کے لیے وہ ٹیبل سجائے۔

"یہیں کھالیتا ہوں میں بھی۔"

کاؤنٹر کے نزدیک موڑھا گھسیٹ کے وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ وہ چپ چاپ ڈش میں چاول نکالنے لگی' ایک ڈونگے میں دال نکالنے کے بعد اس نے چھوٹے ڈونگے میں فرائی پان میں بھون کے رکھا قیمہ نکالا تو ابراہیم کا دھیان پھر اس طرف چلا گیا کہ صرف اس کی وجہ سے اسے دونوں وقت خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے ورنہ وہ قیمہ اتنی کم مقدار میں نہ بھونتی۔ اس نے اپنی لاپروائی اور بھلکڑپن پہ خود کو ڈپٹا اور اسے فریج سے آٹا نکالتے دیکھ کے فوراً منع کرنے لگا۔

"اگر اپنے لیے روٹی پکا رہی ہو تو ٹھیک ہے میرے لیے مت پکانا۔ میں چاول ہی کھاؤں گا۔"

صدف نے بھی اصرار نہ کیا۔ پہلے ابراہیم نے تھوڑے سے چاولوں پہ وہ کالی کالی گاڑھی دال ڈالی اور سفید چاول اور کالی دال کے کمبی نیشن پہ غور کرتا ہوا جھجک کے کھانا شروع ہوا۔ اپنی شکل و صورت سے قطع نظر دال کا ذائقہ خوشگوار حد تک اچھا تھا یعنی سیرت عمدہ تھی۔

"اس دال کا نام کیا ہے؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"ثابت مسور۔ آپ نے پہلے کبھی نہیں کھائی؟"

"نہیں..... کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... بس نام یاد نہیں رہتے۔"

اس نے بتانا ضروری نہ سمجھا کہ ایسی گاڑھی بلی ہوئی دالیں یوں چاولوں پہ الٹ الٹ کے کبھی نہیں کھائیں۔ کبھی کبھار خوب مسالے والی ماش کی بھنی دال کھالیا کرتا تھا یا عرصے بعد اگر امی جان چنے پکاتیں اپنے مخصوص لاہوری انداز میں۔ لیکن آج گاجر اور ہری مرچ کے اچار اور مولی کی چٹنی کے ساتھ دال چاول کھانے میں اسے واقعی لطف آگیا۔ کچھ دیر بعد عاکف بھی آگیا۔ قیمہ دیکھ کے اس نے یہ بلیک اینڈ وائٹ لنچ کرنے سے صاف انکار کردیا۔

"صبر کرو پھر' کھانا ختم کرکے ڈالتی ہوں روٹی۔"

"یہ موتی کس مرض کی دوا ہے؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"وہ تو خود مرض ہے اور وہ بھی لاعلاج۔"

عاکف نے قہقہہ لگایا پھر اٹھ کے توا چولہے پہ رکھنے لگا۔ فریج سے آٹا نکال کے بھی باہر رکھ دیا۔

"ابراہیم بھائی! آپ کا تو برتھ ڈے بھی قریب ہے' کیا خیال ہے پارٹی ہو جائے۔"

اسے نجانے کہاں سے خیال آیا۔ خود ابراہیم بھی حیران رہ گیا۔

"میرا برتھ ڈے..... ابھی کہاں' ابھی تو فروری ہے۔"

"لیں آپ کو اتنا بھی نہیں پتا کہ آپ بڑی عید یعنی بقرعید کو پیدا ہوئے تھے ہم تو امی جان سے ہزاروں بار یہ واقعہ سن چکے ہیں کہ کس طرح عین عید والے دن آپ نے رونق افروز ہو کے عید کی خوشیاں دوبالا کردی تھیں اور اسی عید کی مناسبت سے آپ کا نام رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا' آپ کی دادی محترمہ تو آپ کا نام بکر دین یا عید محمد عرف عیدو رکھنے پہ بضد تھیں' یہ تو ہماری امی جان نے بیچ میں پڑ کر ابراہیم نام تجویز کیا' عیدالاضحیٰ اور قربانی کے حوالے سے یہ نام سب کو پسند آیا اور سب ہی اس پہ متفق ہوگئے۔"

"واقعی..... پھر تو واقعی پھوپھی اماں نے بڑا احسان کیا مجھ پہ۔"

ابراہیم نے تصور میں خود کو "عیدو' عیدو" کی

صدائیں پڑتے دیکھ کے جھرجھری لے کر کہا۔

"ممانی جان نے کبھی یہ واقعہ آپ کو نہیں سنایا؟"

"دراصل مجھے اپنے بچپن کے قصے سننے سے خود ہی کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

بچپن کی حماقتیں اور لڑکپن کی بدحواسیاں سوائے شرمندگی کے اور دیتی بھی کیا ہیں جو انہیں دہرایا جائے۔

"ہائے مجھے تو بڑا مزا آتا ہے' کوئی کرے نہ کرے میں خود ہی عمر رفتہ کو آواز دے لیتا ہوں۔ جیسے کہ ہر سال بڑی عید آتے ہی مجھے بچپن کی وہ تمام بقر عیدیں یاد آجاتی ہیں جس میں قربانی سے کچھ دیر قبل میں اپنے تمام "راجاؤں" سے لپٹ لپٹ کے دھاڑیں مارا کرتا تھا اور ابو اور چاچا جی وغیرہ کے ہاتھ پہ دانت تک گاڑ دیا کرتا تھا' رسی چھڑوانے کے لیے۔ اتنے مہینوں کے ساتھ سے قربت اور انسیت تو ہو ہی جاتی ہے وہ تو اب بھی ہوتی ہے۔ لیکن بچپن کی محبتیں بڑی زور آور' شدت پسند ہوتی ہیں..... ہے نا؟" وہ کہیں کھو سا گیا۔

"تو پھر اتنے دن پہلے بکرا پالنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پالتو جانور کی طرح اس کی سیوا کی جائے' لاڈ اٹھائے جائیں' نہلایا دھلایا جائے اور پھر اپنے ہاتھوں سے قصائی کے سپرد کرتے ہوئے دل کانپتا تو ہوگا اور بچپن میں تو یوں بھی دل زیادہ حساس ہوتا ہے۔ کیا ضرورت ہوتی ہے بچوں کے کچے ذہنوں کو یوں جھٹکا لگانے کی۔ میں ابھی صدف سے یہی پوچھ رہا تھا۔"

ابراہیم نے خاموشی سے کھانا کھاتی صدف کو گفتگو میں شامل کیا۔

"میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ یہ ہماری ضرورت بھی ہے اور کئی سالوں سے اب روایت میں بھی شامل ہے۔ پہلے میں ضرورت کی وضاحت کر دوں۔ ضرورت اتنی اشد اور ناگزیر بھی نہیں بس سہولت کہہ لیجیے۔ آپ جانتے ہیں قربانی ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے اور اس استطاعت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگ عید کے نزدیک اخراجات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بکرا لے نہیں پاتے' ان دنوں قیمتیں بھی آسمانوں سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں۔ عام درجے کا بکرا بھی چار ہزار سے کم نہیں ملتا۔ لوگ ڈیڑھ دو ہزار جیب میں ڈال کر بکرا منڈی جاتے ہیں اور ناکام لوٹ کر بڑی آسانی سے خود کو صاحب استطاعت افراد کی لسٹ سے خارج کر کے قربانی کے فریضے سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں جبکہ اکثریت ان میں سے ایسی نہیں ہوتی۔ اگر کچھ مہینے پہلے ہی وہ لوگ پلان کر کے واقعی قربانی کی نیت سے رقم پس انداز کریں تو بآسانی اس فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ امی جان نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے ان عزیزوں اور ملنے والوں سے جو دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں' بکرے کا نوزائیدہ بچہ لے کر قربانی کی نیت سے پالنا شروع کر دیا۔ یہ سستا پڑتا ہے' اگرچہ سال بھر اس کے چارے وغیرہ کا خرچہ بھی ہوتا ہے لیکن یک مشت تو کئی ہزار نہیں دینے پڑتے اور رہا سوال اس کو پالنے دیکھنے بھالنے کی ذمہ داری کا تو قربانی کا جانور تو اللہ کا مہمان ہوتا ہے اگر عقیدت سے اس کی دیکھ بھال کی جائے تو میرا خیال ہے گراں نہیں گزرے گا۔"

"اور وہ جو دل میں ایک خاص انسیت پیدا ہو جاتی ہے اس جانور کے لیے تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ اس طرح دل پہ جبر کرتے ہوئے اپنے ہی پالے ہوئے بکرے کو یوں قصائی کے ہاتھ میں دینا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ..... میں تو یہی کرتا ہوں عموماً عید سے ایک دن پہلے بلکہ رات کو بکرا خرید کے لاتا ہوں' چند گھنٹے گراؤنڈ میں بندھا رہتا ہے پھر صبح صبح قربانی کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔"

"فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن دل قربانی کے مفہوم سے ناآشنا ہی رہتا ہے۔ ہمیں تو امی جان نے یہی بتایا ہے کہ اللہ کو تمہارے دنبوں' بکروں کی ضرورت نہیں۔ یہ فرض دراصل ہمیں اس واقعے کی یاد دلاتا ہے جس قربانی کی مثال تاریخ انسانی میں دوسری نہیں ملتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنا کسی تامل کے اپنے لخت جگر کو قربانی کے لیے پیش کر دیا اور عظیم قربانی تو اس اعلا مقام بیٹے کی بھی تھی جس نے باپ کو اللہ کے حضور سرخرو کرنے کے لیے ایک سوال تک نہ کیا اور خاموشی سے اپنا سر قلم کرنے کے لیے جھکا دیا۔ ہم گناہ گار کہاں اس درجے تک پہنچ سکتے ہیں لیکن ہر بار "راجہ" کو اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہوئے دل میں یہ تسلی تو ہوتی ہے کہ ہم محض بازار سے خریدی ایک چیز نہیں قربان کر رہے بلکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے' اس کے عائد کیے ایک فرض کو نبھانے کے لیے اپنی ایک عزیز چیز پیش کر رہے ہیں۔ یہی تو قربانی کا جذبہ ہے۔

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے سے محبت نہ تھی؟

کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی جان اور زندگی پیاری نہ تھی؟ یقیناً" ایسا ہی تھا لیکن اللہ کی محبت ہر محبت پہ غالب آگئی اور قربانی کا اصل مفہوم ہی یہ ہے کہ ایک عزیز شے کو دوسری عزیز تر ہستی پہ قربان کر دیا جائے۔ چاہے اس کے لیے دل کتنا ہی تڑپے' کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو مگر اس عزیز تر ہستی کی خوشنودی کی خوشی اتنی بڑی ہو کہ چھوٹے موٹے دکھ پل میں فنا ہو جائیں جو اس قربانی کا حوصلہ نہیں پاتا۔ وہ کسی سے محبت کا دعوا بھی نہیں کر سکتا۔"

اس کے طویل بیان نے ابراہیم پہ جیسے سکتہ طاری کر دیا۔ وہ سحر زدہ سا بیٹھا ایک ایک لفظ اپنے اندر اتارتا رہا۔ بات ایک معمولی سے ہلکے پھلکے مسئلے سے شروع ہوئی تھی اور کتنی حقیقتیں اس پر آشکار کر گئی۔

"کیوں ابراہیم بھائی' ہے ناں میری بہن پکی پکی استانی۔ ایمان سے تنخواہ حلال کرنا کوئی اس سے سیکھے۔ ایک تنخواہ میں ڈبل ڈیوٹی بھگتاتی ہے۔ اسکول کے بچوں کے ساتھ ساتھ گھر والوں اور گھر آئے مہمانوں پہ بھی لیکچر برسانا ان پہ فرض ہے۔"

عاکف نے اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن اس کا ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ صدف کے کہے جملے بار بار کانوں میں گونج رہے تھے۔

"ایک محبت پہ دوسری محبت غالب آجائے تو....."

"ایک عزیز ہستی کے لیے عزیز شے قربان کر دینا ہی محبت ہے۔"

"جو قربانی کا حوصلہ نہیں پاتا۔ اسے محبت کا دعوا نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیا میں ہی ملا ہوں آپ کو قربانی کے لیے؟" ابو جان سے کیا گیا وہ احتجاج اسے بے ساختہ یاد آیا۔

"بہت خوب' پچھتاوے آپ کے' خواہشیں آپ کی اور کوئی پرانے احسانوں کا بوجھ بھی آپ پر اور بھینٹ چڑھا رہے ہیں آپ "مجھے"۔ مجھ سے اس قربانی کی امید مت رکھیے۔"

اپنے ہی کہے گئے بے رحم الفاظ چیخیں مارتے اس تک لوٹے۔ وہ سر جھکا کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اکلوتا تھا تو نہیں لیکن اکلوتوں کی طرح ہی پلا۔ اس میں اور بڑے بھیا اویس علی میں تقریباً گیارہ سال کا فرق تھا۔ اس کی بڑی امی یعنی معظم علی کی پہلی بیوی اویس علی کی پیدائش کے ساتھ ہی وفات پا گئیں۔ کئی سال معظم علی نے یاسیت اور اداسی سے الجھتے گزار دیے۔

ان کی آپا' نصرت آرا جن کی شادی طے تھی' ننھے اویس میں ہی گم ہو کے رہ گئیں۔ ایسے میں شادی کا تصور انہیں ہولا کے رکھ دیتا۔ اگر وہ شادی کر کے گاؤں چلی جاتیں تو بوڑھی ماں کیا خود کو سنبھالتی اور کیا ننھے سے بن ماں کے پوتے کو۔ گھر بھر سے لڑ جھگڑ کے انہوں نے شادی رکوا دی۔ وہ شادی صرف بھائی کے دوبارہ گھر بس جانے تک ملتوی کرنا چاہتی تھیں لیکن ہوا یہ کہ رشتہ ہی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے بھی ملال نہ کیا اور اللہ کی رضا جان کے سب کچھ اویس کو سمجھتے ہوئے جی جان سے اس کی پرورش کرنا شروع کر دی۔

چند سال بعد جب معظم ذرا سنبھلے اور زندگی کی رعنائیاں انہیں پھر سے اپنی جانب کھینچنے لگیں اور اس کے ساتھ ساتھ بہن کی بے آبادی بھی دکھ دینے لگی تو

دوبارہ گھر بسانے کے لیے رضامند ہو گئے ساتھ ہی شرط عائد کر دی کہ نصرت آرا کا نکاح بھی ان کے ساتھ ہی پڑھایا جائے۔

معظم علی اگرچہ پینتیس کے ہو رہے تھے، دوبا جو بھی تھے لیکن پھر بھی ایک اچھے گھرانے کی پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی سعیدہ ان کی زندگی میں آ گئی لیکن نصرت آرا کی بڑھتی عمر آڑے آ گئی۔ بڑی مشکل سے رشتہ ملا اور کرامت حسین کے ساتھ بات طے ہو گئی۔ دونوں بہن بھائی کے گھر بس گئے۔ قسمت کی بات کہ معظم علی کے لیے تو یہ دوسری شادی بے حد مبارک ثابت ہوئی۔ ان کا کاروبار لاہور جا کے خوب پھلا پھولا۔ اب ان کا شمار خوشحال گھرانوں میں ہونے لگا جبکہ کرامت حسین تو معمولی سا پرچون فروش تھا، اسی دکان تک محدود رہا۔

معظم علی نے گاہے بگاہے بہن کی امداد کرنا چاہی لیکن بہن سے بڑھ کے بہنوئی خوددار تھا اور پھر وہ اپنی اس سادہ زندگی میں راضی برضا تھے، دونوں میاں بیوی کو نہ تو تنگ دستی سے شکایت تھی نہ زیادہ کی تمنا اس لیے کبھی دکھڑے نہ روئے۔

رفتہ رفتہ معظم علی نے بھی بہن کے حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ وہ اپنی زندگی میں مگن ہو گئے۔ سعیدہ اچھی فطرت کی خاتون تھیں۔ اویس کے ساتھ کبھی سوتیلی ماں کا فرق نہ رکھا لیکن وہ لڑکپن کی حدود میں داخل ہوتا بچہ وقت سے پہلے سمجھ دار ہو گیا تھا اور رشتوں کی نزاکت سمجھنے لگا تھا۔ اس کے دل نے یہ رشتہ کچھ زیادہ خوشی سے قبول نہ کیا اور ہاسٹل میں رہنے کی ضد کی۔ میٹرک کے بورڈنگ سے وہ لندن پڑھنے چلا گیا۔ اور پھر وہیں سے اپنی شادی کی اطلاع بھی بھیج دی۔ ماں باپ سے تو اس کی وابستگی قائم ہو ہی نہ سکی۔ بچپن میں لوریاں سنانے اور تھپکنے والی پھوپھی اماں کو بھی یکسر بھول گیا جبکہ معظم علی اویس کے لیے اپنی آپا کی بڑی بیٹی ندرت کا خواب دیکھے بیٹھے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے صبر کر لیا اور سعیدہ کی طرح اپنی توجہ ابراہیم پہ مرکوز کر دی، جو پہلے ہی حد درجہ توجہ ملنے سے خودسر اور خودپسند ہو چلا تھا۔

تعلیمی میدان کی حد تک ابراہیم شروع ہی سے ذہین و فطین رہا لیکن دنیاداری کے معاملے میں بر یونہی سا تھا۔ پریکٹیکل لائف میں داخل ہونے کے بعد بھی اسے انسانوں کو پرکھنے، برتنے کا سلیقہ نہ آیا تھا اور شاید آ بھی جاتا اگر وہ انسانوں سے اس طرح گھبرا کر الگ تھلگ رہنے کا عادی نہ ہوتا۔ اس کی خودپسندی نے کبھی کوئی قریبی دوست بنانے نہ دیا، بھائی سے ویسے بھی عمر اور ذہن کا کئی برس کا فاصلہ تھا اور باقی رشتے بھی برائے نام ہی تھے۔ دو ماموں تھے ایک جرمنی میں اور دوسرے کراچی میں۔ کراچی والے ماموں سے بھی بس اتنا ہی رابطہ و واسطہ تھا جتنا کہ جرمنی والے ماموں سے۔ یعنی عید کے عید کارڈ اور سال میں ایک آدھ فون تک محدود۔

نانا، نانی تو خیر اس کی پیدائش سے پہلے ہی گزر چکے تھے دادا، دادی بھی ہوش کی عمر آنے تک وفات پا گئے۔ لے دے کے ایک پھوپھی اماں ہی تھیں۔ وہ اگرچہ پنڈی میں رہتی تھیں لیکن خاصا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ تو سال میں ایک آدھ بار خصوصاً" بچوں کی گرمیوں کی چھٹیوں میں ضرور ہی چند دن میکے یعنی بھائی کے گھر رہنے آتیں لیکن جیسے ہی بچے بڑے ہوئے اور پھوپھا جان کا بھی انتقال ہو گیا، یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

ابو جان البتہ کاروبار کے سلسلے میں پنڈی آتے جاتے رہتے تھے اور ہر بار ہی امی جان بڑے اہتمام سے موسم کے لحاظ سے بڑی نند کے لیے سوٹ اور بچوں کے لیے مختلف چیزیں تحفتاً بھیجتی رہتیں۔ بچپن میں وہ بھی دو تین بار پنڈی ہو آیا۔ لیکن جب جاب کے سلسلے میں اسے مستقل پنڈی شفٹ ہونا پڑا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بار بار پھوپھی اماں کے گھر آنا پڑا اور یوں یہ سلسلہ چل نکلا۔

اس کا رجحان شروع ہی سے جرنلزم کی طرف تھا۔ ابو جان نے اسے اپنے بزنس کی طرف راغب کرنے کی بڑی کوشش کی پھر ناکام ہو کے یہاں تک پیشکش کی کہ وہ اس کے لیے ذاتی اخبار یا ماہنامہ وغیرہ نکالنے پہ تیار ہیں

لیکن ابراہیم نے انکار کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ میگزین نکالنا آسان اور چلانا کتنا دشوار ہے۔ اس کے لیے تجربہ چاہیے اور اس سے بھی بڑھ کے نام جو وہ کسی مشہور اشاعتی ادارے سے منسلک ہو کے بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس نے ابو جان کی آفر شکریہ کے ساتھ یہ کہہ کر لوٹا دی کہ وہ کم از کم آٹھ دس سال بعد اس پہ غور کرے گا۔

ملک کے سب سے کثیرالاشاعت روزنامے سے منسلک ہوتے ہی اس کی ٹرانسفر پنڈی برانچ میں ہو گئی۔ وہ جانے کی تیاری کر رہا تھا جب امی اور ابو نے اسے آپا نصرت کے ہاں ٹھہرنے کی تاکید کی لیکن اس کے سختی سے انکار کر دینے کے بعد دوبارہ اصرار نہ کیا وہ بھی اپنے تنہائی پسند اور کم گو بیٹے کے مزاج سے واقف تھے لیکن اسے وقتاً" فوقتاً" پھوپھی کے ہاں جاتے رہنے کی نصیحت ضرور کی جو اس نے سر جھکا کے سن لی۔

بعد میں نجانے کس وجہ سے مگر ہر ہفتے تو وہ ضرور ہی وہاں جاتا رہا۔ حالانکہ پہلے اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ بچپن کا کوئی ایسا خوشگوار واقعہ نہ تھا جس کی کشش اسے اس گھر تک کھینچتی۔ اسے یاد تھا کہ وہ جب بھی ایک آدھ روز کے لیے پنڈی آیا، اچھا خاصا بور ہوا کرتا تھا۔ عاکف اس سے خاصا چھوٹا تھا اور جھگڑالو اور ضدی بھی جبکہ ندرت، صدف تقریباً" اس کی ہم عمر ہی تھیں، ندرت ایک سال بڑی جبکہ صدف چھ سات ماہ چھوٹی۔ لیکن لڑکیوں سے کھیلنے کا اسے کبھی شوق نہیں رہا تھا۔ اس لیے ایک کونے میں بیٹھا عمران سیریز پڑھتا رہتا۔ پھوپھی اماں کی گود میں ایک گوری سی، روتی چلاتی ننھی سی بچی بھی دیکھی وہ اسے صدف اور اکو کی "ننھی بہن" ہی سمجھا۔ بعد میں بڑا ہونے کے بعد یہ پتا چلا کہ یہ بچی پھوپھی اماں کے جیٹھ کی بچی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی ایک بس کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے، اور چونکہ جاتے جاتے وہ دونوں سرد موسم کی وجہ سے ننھی بچی کو چچی کے حوالے کر گئے تھے اس لیے انہوں نے اسے حکم الٰہی سمجھ کے خود پہ فرض کر لیا اور تاحیات بچی کی ذمہ داری کا بیڑا اٹھا لیا۔ کم ہی لوگ جانتے تھے کہ وہ ان کی سگی بیٹی نہ تھی وہ تو جب وہ چچی کہہ کر پکارتی تو پتا چلتا۔

سالوں بعد اسے دیکھنے پر بھی ابراہیم کو ایسا لگا جیسے وہ ویسی کی ویسی ہی تھی۔ روتی بسورتی، ناک سکیڑتی، دھڑ دھڑ چلتی، سر کھجاتی اور صدف کی جھڑکیاں کھا کے مسکراتی۔ ہاں شکل و صورت خوب نکھر آئی تھی۔ رنگ گورا تو بچپن سے تھا۔ اب گلابی بھی ہو گیا۔ گول گپا سا منہ اب بیضوی ہو چکا تھا اور پرگوشت گالوں میں دھنسی رہنے والی آنکھیں اب بڑی بڑی سی نرگسی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ ناک البتہ ویسی کی ویسی موٹی پکوڑا سی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو ابراہیم توجہ دیتا یہ تو ابو جان تھے جنہوں نے اس کی توجہ اس طرف دلائی اور وہ سنتے ہی بدک اٹھا۔ اسے ابو جان کا یہ فیصلہ سراسر ناانصافی لگنے لگا۔ وہ تو کچھ اور سوچے بیٹھا تھا۔ نیرا کا ذکر امی جان سے کرنے کا ارادہ تھا لیکن انہوں نے بات ہی ایسی کی کہ وہ جھٹ سے اکھڑ گیا۔

"ابو جان! آپ جانتے بھی ہیں کیا کہہ رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ نے کیا سوچ کے یہ بات کی۔ آپ نے دیکھا ہی کیا ہے؟"

"میں نے آپا کی شکستگی دیکھی ہے۔" وہ آہستہ سے بولے۔ "بڑے سے برے حالات میں اور کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی میں نے ان کا حوصلہ ٹوٹتے نہ دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ تھکنے لگی ہیں، ہارنے لگی ہیں۔ ان کے لہجے سے چھلکتی مایوسی مجھے مجرم سا بنا دیتی ہے۔ وہ ساری زندگی صبر اور قناعت سے کام لیتی رہیں لیکن ندرت اپنے حالات سے سمجھوتا نہیں کر پا رہی۔ آپا بھی کیا کرتیں۔ بھائی جان کے جیسے حالات تھے۔ ان میں اعجاز جیسا رشتہ ہی مل سکتا تھا لیکن غربت کے ساتھ ساتھ اس میں بدحرامی اور مفت خوری جیسی عادتیں بھی ہیں۔ آپا داماد اور سمدھیوں کے مطالبات پورے کرتے کرتے ہلکان ہو رہی ہیں۔ عاکف ہے تو کام دھندے سے نہیں لگ رہا۔ ایسے میں بیچاری صدف ہی سارے گھر کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ

چار سال سے اپنے چچا کے گھر مانگی ہوئی ہے۔ باقاعدہ منگنی تو نہیں مگر بات طے ہے۔ آپا کی بیٹی ہے۔ اس لیے وہی وصف ہیں' وہی جذبے ہیں۔ بھائی کے پیروں پر کھڑے ہونے سے پہلے شادی کرنے پہ تیار نہیں۔ وہ سال سے آپا دیور کو ٹال رہی ہیں۔ آخر صدف کی تنخواہ اور ٹیوشنوں سے گھر کے خرچے چلتے ہیں۔ میں نے آپا سے بات کی ہے۔ عاکف کو لاہور لے جاؤں اپنے ساتھ کاروبار پہ لگاؤں۔ تم تو اپنی ملازمت میں مصروف ہو۔ انہیں صدف کا گھر جلد از جلد بسا لینے کا مشورہ بھی دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تاریخ خود کو دہرائے اور آپا کی طرح صدف بھی عمر کے سنہری سال قربانیوں میں گزار کے اچھے رشتے کی آس میں بیٹھی رہ جائے لیکن آپا کا کہنا ہے کہ وہ صدف کے ساتھ ساتھ موتی کو بھی گھر بار کا دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ موتی کو اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں۔ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے کسی اچھی جگہ اسے بیاہنا چاہتی ہیں۔ جلد بازی میں ندرت والی غلطی دہرا کے دنیا کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتیں۔"

"وہ یہ چاہتی ہیں..... وہ یہ نہیں چاہتیں..... ان سب سے میرا کیا تعلق بلکہ آپ کا بھی کیا تعلق؟" وہ اکتا گیا یہ تفصیل سنتے سنتے۔

"کیا تعلق؟ وہ میری بہن ہیں اور بہن بھی ایسی جن کی اس حالت کا بڑی حد تک میں بھی ذمہ دار ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان کے مشکل دور میں کام آؤں۔" وہ دکھ سے چور چور لہجے میں بولے تو وہ بھی ذرا نرم پڑ گیا۔

"تو آپ کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرنے میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔"

"ندرت کی بار بھی میں نے یہی سوچا تھا۔ جب اویس نے چپ چپاتے شادی کر لی تو میں نے آپا کو بھی یہی کہہ کر دلاسا دیا اور انہوں نے بھی رشتہ کرتے ہوئے مجھ سے پوری چھان بین کروائی تھی لیکن ہوا کیا..... انجانے لوگوں سے دھوکا کھا بیٹھے۔ اب میں رسک نہیں لینا چاہتا کیونکہ موتی کے بارے میں آپا یوں بھی بہت حساس ہیں۔ ان کے خیال میں اپنی اولاد کے لیے وہ کسی کے آگے جواب دہ نہیں جبکہ موتی کے بارے میں روزِ حشر انہیں اس کے والدین کو جواب دینا پڑے گا۔ وہ بڑی آس سے مجھ سے....."

"اوہو ابو جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ذرا میرے نقطۂ نظر سے بھی تو دیکھیں۔ وہ عمر میں مجھ سے بارہ تیرہ سال تو ضرور چھوٹی ہوگی۔ میٹرک دو قسطوں میں گھسٹ گھسٹ کر کرنے کے بعد اب کہیں فرسٹ ایئر میں پہنچی ہے۔ نہ عقل نہ سلیقہ..... آپ بھی بس یونہی احساسِ جرم کا شکار ہو رہے ہیں۔ پھوپھی اماں کی قسمت میں جو لکھا تھا وہی ہوا' ندرت کے لیے بھی آپ نے بہتر ہی سوچا' آگے اس کی تقدیر۔"

"تقدیر کو سارے الزام دینا درست نہیں۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ آپا نے صرف اویس کی خاطر اپنی منگنی تڑوالی؟ اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ اسی کو پالنے کی خاطر انہوں نے بال سفید کر لیے کیونکہ میں سطحی سی جذباتیت کے زیرِ اثر تھا۔ صرف اسی وجہ سے انہیں ڈھنگ کا رشتہ نہ مل سکا۔ میں خود کو ان کے سامنے تمام عمر مجرم سمجھتا رہا ہوں۔ خدا کا واسطہ ہے' مجھے اب تو سر اٹھا کے بڑی بہن کے آگے جانے دو۔ ندرت کے سلسلے میں جو ہو گیا سو ہو گیا۔ میں کوشش کروں گا اعجاز کو سمجھا بجھا کے راستے پہ لاؤں۔ ایک ہی بار اگر اسے کچھ امداد چاہیے تو مدد کر دوں۔ صدف بھی اپنوں میں جائے گی۔ عاکف کو اپنے ساتھ کاروبار میں لگا لوں۔ جب موتی یہاں آجائے گی تو آپا بھی تیار ہو جائیں گی میرے ساتھ رہنے پہ۔"

"آپ یہ سب کیجیے بخوشی کیجیے لیکن میرا حصہ اس ساری پلاننگ سے الگ رکھیے۔ میں کسی پچھتاوے کا شکار ہوں نہ ہی کسی احساسِ جرم میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے اپنے لیے قربانی کا بکرا بنانے کی ضرورت نہیں۔ آپ میرے علاوہ کوئی اور طریقہ ڈھونڈ نکالیں اپنے ازالوں کے لیے۔"

وہ کسی طور نہ مانا' انکار کی ایک وجہ موتی کے لیے ناپسندیدگی تھی تو دوسری وجہ نیرا کے لیے پیدا ہوئی نئی پسندیدگی تھی۔

نیرا سے اس کی ملاقات پنڈی شفٹ ہونے کے کچھ عرصے بعد ہوئی تھی۔ وہ راحیل کے کیبن میں کسی فائل کو ڈھونڈتا آیا تھا کہ وہاں گرے اور پنک ساڑھی میں ایک باوقار سی سجی سنوری خاتون کو بے تکلفی سے براجمان دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اخلاقاً انہیں سلام کیا' راحیل نے مختصر سا تعارف کرایا۔

"ابراہیم! یہ آنٹی ہیں' سائرہ آنٹی اور آنٹی! یہ ابراہیم علی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی لاہور برانچ سے یہاں شفٹ ہوا ہے۔"

سائرہ آنٹی یہ جاننے کے بعد کہ وہ یہاں اکیلا ہے۔ بڑی فکرمند ہوئیں ان کا تردد اور اخلاق دیکھ کے وہ بہت متاثر ہوا۔ یوں بھی خاصا ہوم سک ہو رہا تھا' اسی لیے دوسرے تیسرے دن پھوپھی اماں کے گھر بھی چلا جایا کرتا حالانکہ وہاں کا ماحول اس کی تنہائی پسند فطرت پہ گراں گزرتا۔ موتی اور اکو کی چھینا جھپٹی' تو تو میں میں' پھوپھی اماں کا اونچی آواز میں واویلا مچانا' کھینچ کے جوتی اکو کے دے مارنا' صدف کی ڈانٹ ڈپٹ اور اگر جو ندرت آئی ہوتی تو اس کے میاں اعجاز کی جہالت بھری گفتگو' اس کے بچوں کی دھینگا مشتی اور موتی کا ننھے ننھے بچوں سے مقابلے پہ اتر کے لڑنا سب اسے زہر لگا کرتا لیکن انجانے شہر میں کبھی کبھار بولا کر وہ گھنٹے بھر کے لیے وہاں جانے پر مجبور ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ تیسرے ہی دن ورائٹی سپر اسٹور میں سائرہ آنٹی سے دوبارہ اتفاقیہ ملاقات کے بعد جب وہ انہیں ڈراپ کرنے چکلالہ گیا تو ان کے ایک ہی بار کہنے پر چائے پینے اندر بھی چلا گیا۔ اس نے ویسے بھی ایسی نک سک سے درست' دوستانہ انداز میں گپ شپ لگانے والی ہنس مکھ آنٹی پہلی بار دیکھی تھیں' انکل بھی بڑے زندہ دل تھے اور ان کی بیٹی نیرا' اسے دیکھ کے تو وہ حیران ہی رہ گیا۔ وہ حسین بھی تھی' طرح دار بھی اور نخریلی بھی۔ ابراہیم نے دل ہی دل میں اعتراف کیا' اس حسن کے ساتھ یہ نخرہ' یہ ناز و ادا اور غرور اسے سجتے بھی خوب تھے۔ اپنے والدین کی بہ نسبت وہ ذرا روکھے انداز میں اس سے ملی۔ سائرہ آنٹی نے وضاحت کی۔

"بے بی ذرا شرمیلی ہے۔ اسٹرینجرز سے جلدی گھلتی ملتی نہیں۔ تم محسوس نہ کرنا۔ آتے جاتے رہا کرو۔ تم سے مل کے مجھے بہت اچھا لگا۔ بلکہ تم اس سنڈے لنچ میرے ساتھ کیوں نہیں کرتے؟"

وہ انکار نہ کر سکا۔ پھر اس لنچ کے بعد جوابی ڈنر دینا بھی تو فرض تھا اس نے بابل ڈے اِن میں ان کی فیملی کو ڈنر دیا۔ یوں اس تیسری ملاقات میں نیرا کی اس سے دوستی ہو ہی گئی۔ وہ بچکانہ حد تک سادہ مزاج تھی۔ پہلے پہل اسے جتنا مغرور سمجھا تھا۔ وہ بالکل ویسی نہ تھی بلکہ جلد ہی خاصی بے تکلف ہو گئی۔ زندگی سے بھرپور اس لڑکی کی رعنائی اور دلکشی اتنی پرکشش تھی کہ سائرہ آنٹی کی طرف سے اسے پے انگ گیسٹ ٹھہرانے کی آفر وہ رد نہ کر سکا۔ وہ ان کے اوپر کے پورشن میں کیا شفٹ ہوا کہ نیرا سے قربت دن بدن بڑھتی چلی گئی اور پسندیدگی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اس بار لاہور جا کر امی جان سے نیرا کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا کہ ان کا جج کے لیے جانے کا ارادہ ہو گیا' ابو جان نے پھوپھی اماں کو بھی ساتھ جانے پہ رضامند کر لیا۔ وہ پنڈی آنے کے بعد اس کے پورشن میں بس چند گھنٹوں کے لیے ہی رکے تھے اور پھر اپنی آپا کے ہاں ہی چلے گئے وہیں یہ سارا منصوبہ بنا اور اس کے سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ لیکن ابھی وہ اتنا بے دست و پا نہیں ہوا تھا کہ خاموشی سے ہتھیار ڈال دیتا اس نے ابو جان سے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا۔

"پچھتاوے آپ کے' خواہشیں آپ کی' اور بھینٹ چڑھا رہے ہیں آپ مجھے۔ مجھ سے اس قربانی کی امید مت رکھیے۔"

اور اب صدف نے انجانے میں اس کے الفاظ اسے لوٹا دیے تھے۔ وہ اپنے ہی الفاظ کی بے رحمی اور بدصورتی کو جانچ رہا تھا اور ساتھ ساتھ صدف کی بات بار بار اس کے ذہن پہ دستک دے رہی تھی۔

"جو قربانی کا حوصلہ نہیں رکھتے' وہ محبت کا دعوا نہیں کر سکتے اور ایک عزیز چیز کو دوسری عزیز تر ہستی

کے لیے فنا کر دینا ہی قربانی ہے۔"

وہ ساری رات سوچتا رہا' عزیز اور عزیز تر میں کیا فرق ہے۔

٭ ٭ ٭

ساری رات کی الجھنوں اور سوچوں کے زیر اثر وہ اتنا ڈسٹرب تھا کہ بار بار موبائل پہ نیرا کا نمبر دیکھ کر بیپ آف کر دیتا تھا اس وقت وہ اس کے سوالوں کا جواب دینے کی ہمت خود میں نہ پا رہا تھا۔ تین چار بار ناکام ہونے کے بعد شاید نیرا تھک گئی تھی' مایوس ہو گئی تھی یا شاید ناراض ہو گئی تھی جو اس کا موبائل خاموش ہو گیا۔ اس کی ناراضی کے خدشے نے ابراہیم کو مزید مضطرب کر دیا۔ جانتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو کتنی جلد آتے تھے اور بس وہ اسی ایک بات سے ڈرتا تھا۔ اس کی ساری مزاحمت اس کے آنسو دیکھ کے دم توڑ دیتی تھی۔ وہ آنسو بھری شکوہ کناں آنکھیں اس طرح بار بار اس کے تصور میں آتی رہیں کہ شام ہوتے ہی اس نے گاڑی کا رخ سیٹلائٹ ٹاؤن کے بجائے چکلالہ کی طرف موڑ دیا۔ قصداً" وہ گھر سے ڈیوٹی ٹائم سے دو گھنٹے پہلے ہی نکل آیا تھا لیکن سائرہ آنٹی سے یہ سن کر سخت مایوسی ہوئی کہ وہ سو رہی ہے اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اس نے جگانے کو منع کیا ہے۔

"اس وقت؟ یہ کون سا سونے کا وقت ہے؟"

"رات بھر بخار کی وجہ سے جاگتی رہی۔ دن کو نجانے کس بات پہ موڈ خراب کیے رکھا۔ ابھی میں نے زبردستی دوا دے کر سلایا ہے۔ تم کہتے ہو تو جگا دیتی ہوں۔ تمہارے آنے کا سن کر جگائے جانے پہ ناراض تو نہیں ہو گی لیکن کہیں طبیعت زیادہ نہ خراب ہو جائے۔ تم تو ابھی چلے جاؤ گے پھر بے چاری کو پتا نہیں کب نیند آئے۔"

"نہیں رہنے دیجئے۔ میں کل پھر آ جاؤں گا۔"

وہ منع کرتے ہوئے اٹھنے لگا تو سائرہ آنٹی نے بڑی اپنائیت سے اس کا بازو تھام لیا۔

"تم دونوں سمجھ دار ہو' اپنا برا بھلا خود جانتے ہو اور میں نے تو اپنی بیٹی کو اتنا کونفیڈنٹ بنایا ہے کہ اپنے بارے میں کوئی بھی فیصلہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کر سکے لیکن پھر بھی ماں اور سب سے بڑھ کے دوست ہونے کے ناتے میں تم سے اتنا ضرور کہوں گی کہ تم دونوں کے درمیان جو بھی ٹینشن ہے' اسے جلد از جلد دور کرنے کی کوشش کرو' مجھ سے اپنی بیٹی کی پژمردگی اور مایوسی دیکھی نہیں جاتی۔ جب سے تم اپنے عزیزوں کے گھر رہنے گئے ہو' وہ بڑی ڈری ڈری سی رہنے لگی ہے اور اس کا یہ خوف بجا بھی ہے اگر تم اسی طرح اپنے پیرنٹس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے تو تمہاری اپنی پرسنل لائف کا کیا ہو گا۔ تم تو ان سے اتنی سی بات تک نہ منوا سکے کہ تم اس گندے سے محلے کے ڈربہ نما مکان میں نہیں رہ سکتے تو اپنی پسند کے لیے ان کی رائے ہموار کیسے کرو گے۔ بی بریو۔ اپنے لیے کوئی بولڈ اسٹیپ لینے کی ہمت پیدا کرو۔" انہوں نے زور دے کر کہا اور وہ سر ہلا کے رہ گیا۔

گھر سے کھانا کھائے بغیر نکل آیا تھا۔ بھوک اور سستی سے حالت خراب ہو رہی تھی۔ رات بھر ڈیوٹی کے دوران بھی ذہن الجھن کا شکار رہا اور دن کو نیرا کے مسلسل کال کرنے اور پھر بعد میں اسے اگنور کرنے کی ندامت نے پل بھر آنکھ نہ لگنے دی۔ چار پانچ بار چائے پی کر تو بھوک مر ہی گئی تھی۔ شام کو بھی نیرا کے ساتھ ڈنر کرنے کے ارادے سے بھوکا ہی نکل آیا۔ وہ تو نہ ملی اور آنٹی نے بھی جھوٹے منہ کچھ کھانے کو نہ پوچھا۔ اس نے ایک فاسٹ فوڈ کے سامنے گاڑی پارک کی۔ وہ زنگر پیک کروا رہا تھا۔ جب سڑک کے اس طرف ایک بوتیک سے اس نے نیرا کو نکلتے دیکھا۔ وہ مسٹرڈ جینز کے اوپر میرون ٹاپ پہنے ہوئے تھی' وہی سرخی مائل چمک دار براؤن بال چہرے پہ پھیلے ہوئے تھے' سامنے سے وآران کی لمبی سی بس گزری اور کچھ لمحوں کے لیے وہ اسے دیکھنے سے قاصر رہا' بس نکل گئی تو وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"شاید میری نظروں کو دھوکا ہوا ہو۔ وہ تو ابھی چند منٹ پہلے گھر میں سو رہی تھی۔ ضرور اس سے ملتی جلتی

کوئی دوسری ہو گی۔ سارا دن اسے حواسوں پہ سوار کرنے کا نتیجہ ہے کہ اب ہر کسی پر اس کا گمان ہونے لگا ہے۔" سر جھٹکتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

٭ ٭ ٭

"یہ آپ کیا اٹھا لائے؟"

آج صبح وہ معمول سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ پہنچا تھا لیکن خلاف توقع صدف گھر پہ تھی اور منہ سر لپیٹے گھر کے جالے جھاڑ رہی تھی۔

"تم ابھی تک گئیں نہیں؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"آج سیٹرڈے ہے۔"

وہ پہلے بھی کئی بار بتا چکی تھی کہ ہفتہ اور اتوار چھٹی ہوتی ہے' وہی بھول گیا تھا۔ اتنی بات کہہ کر وہ پھر سے فرش پہ رکھے شاپر زدیکھنے لگی جس میں سے پھل' سبزیاں اور دوسری چیزیں جھانک رہی تھیں۔

"میرے ایک کولیگ نے مجھ سے ریکویسٹ کی تھی کہ میں اسے کراچی کمپنی والے جمعہ بازار تک ڈراپ کر دوں' اتنا بڑا جمعہ بازار میں نے تو کبھی لاہور میں بھی نہیں دیکھا' بے اختیار دل للچا گیا۔ تازہ تازہ سبزی اور پھل خریدنے کو۔ وہاں امی جان کے ساتھ میں ہی جایا کرتا تھا شادمان والے اتوار بازار۔ اس لیے ایسی خریداری کا خاصا تجربہ ہے۔ یہ سب خرید کے ڈکی میں کل ہی رکھ لیا تھا' آج گھر آتے ہوئے سوچا کہ کچھ گوشت' مرغی اور مچھلی بھی لے لوں۔"

اس نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ابھی دو دن پہلے اس نے صدف کو تین ہزار پکڑانے چاہے تھے۔

"گھر کے اخراجات کے لیے۔" وہ سادگی سے بتانے لگا۔

"امی سارا انتظام کر کے گئی ہیں۔" وہ متانت سے بتانے لگی۔

"ہاں' لیکن ظاہر ہے میرے یہاں رہنے سے اخراجات تو بڑھے ہوں گے۔ یہ میری طرف سے رکھ لو' تمہیں وقت تو ہوتی ہو گی اضافی خرچے سے۔"

"ہمارے ہاں مہمانوں کو بوجھ سمجھنے کی روایت ہے نہ ہی ان سے خرچا وصولنے کی۔" وہ غصے میں آ گئی۔

"آپ براہ کرم یہ رقم اپنے پاس رکھیے' ہم اتنے گئے گزرے بھی نہیں کہ چند دن کسی مہمان کی مدارت بھی نہ کر سکیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو' میں تو۔۔۔"

لیکن وہ کچھ سنے بغیر ہی واپس پلٹ گئی' ابراہیم نے ہار نہ مانی' اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ صدف کو گھریلو اخراجات پورے کرنے میں خاصی مشکل پیش آ رہی ہے حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پریشانی اس کی مستقل ہو۔ اور ابراہیم کے آنے سے پہلے بھی وہ یونہی کھینچ تان کے گزارا کرتی ہو آخر اسکول کی تنخواہ اور محلے کے بچوں کو ٹیوشنز دے کر کتنا کما لیتی ہو گی لیکن یہاں اس گھر میں رہتے ہوئے چشم پوشی اختیار کیے رکھنا اسے اچھا محسوس نہ ہو رہا تھا۔ آج اس نے یہ طریقہ نکالا' پیسے واپس جیب میں رکھوائے جا سکتے ہیں' سامان کیسے بھجوائے گی اور یہی ہوا وہ سرخ چہرہ لیے سنجیدگی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔ کہا تو صرف اتنا۔

"میں تمام سودا سلف باقاعدگی سے لے آتی ہوں۔ کبھی گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔"

"میں جانتا ہوں اور یہی مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم جاب سے واپس آ کر بازاروں کی خاک چھانتی پھرو' ریڑھیوں پہ بھاؤ تاؤ کرتی رہو۔ عاکف کو تو تم نے بالکل ہی آزاد چھوڑ دیا ہے۔ جب تک کوئی ذمہ داری اس پہ نہیں ڈالو گی۔ وہ کیسے احساس کرے گا۔ مجھے بالکل نہیں پسند تمہارا یوں مارے مارے پھرنا۔ اس لیے ہفتے بھر کا سامان لے آیا ہوں۔ تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

اور وہ واقعی خاموشی سے سامان اٹھا کے کچن میں لے گئی۔

"میری جیکٹ کہاں ہے؟" اس نے صحن میں بیٹھے

کینو کھاتے عاکف سے پوچھا۔
"وہیں جہاں روز اس وقت ہوتی ہے۔" اس نے منہ سے بیج کے فائر کرتے ہوئے جواب دیا۔
"دیکھ آیا ہوں' نہیں ملی۔" روز صبح برآمدے میں موجود اسٹینڈ کے اوپر لٹکاتا تھا اور رات کو جاتے ہوئے وہیں سے اتار کر پہن لیتا تھا۔ دن کے کئی گھنٹے تو سونے میں گزر جاتے' جاگنے پر ہیٹر کے آگے بیٹھ کر کچھ دیر ٹی وی دیکھتا رہتا نہ باہر نکلنا ہوتا نہ ہی جیکٹ کی ضرورت پڑتی۔
"کہاں دیکھا؟"
"وہیں اس اسٹینڈ پہ۔" ابراہیم نے اشارہ کیا۔
"وہاں تو صبح صبح اور شام کو ہوتی ہے۔ سارا دن جہاں ہوتی ہے وہیں ہوگی۔"
"کیا بجھارتیں بجھا رہے ہو۔ مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے' باہر خاصی سردی ہے۔ کہاں گئی جیکٹ؟" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اسی اثناء میں گیٹ کھلا اور چھلانگ مارنے کے انداز میں موتی اندر آئی۔ ابراہیم کی نظر اس پہ ٹک گئی۔ کالج یونیفارم پہ وہ اس کی نئی امپورٹڈ لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔
"وہیں جہاں روز ہوتی ہے۔"
عاکف کا جملہ اس پہ پوری طرح عیاں ہوگیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ پچھلے دو تین روز سے اس پہ پائے جانے والے نت نئے داغ دھبوں کا سراغ بھی مل گیا۔ اس وقت بھی ایک ہاتھ سے بھٹہ کھاتی اور دوسرے ہاتھ سے گالوں تک آتی موٹی سی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستی ہوئی موتی کی جیکٹ گرد سے اٹی ہوئی تھی۔ بھٹے کی بقایاجات کو دانتوں سے اچھی طرح کریدنے کے بعد اس نے خالی بھٹہ "راجہ" کے آگے پھینکا اور چاٹ مسالے سے بھری انگلیاں لاپروائی سے جیکٹ کی سائیڈ سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے سلام جھاڑا۔ جس کا جواب تو خیر ابراہیم نے کیا دینا تھا' دانت کچکچاتے ہوئے اپنی جیکٹ پہ نظریں گاڑے کہنے لگا۔
"مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے اگر زحمت نہ ہو تو کیا آپ یہ جیکٹ اتار دیں گی۔"

جواباً" وہ یوں منہ اٹھائے ہونقوں کی طرح تکنے لگی جیسے اس نے اپنی جیکٹ نہیں بلکہ اس کا سفید موتیوں والا کلا برانڈہ مانگ لیا ہو۔
"جیکٹ ---- یہ والی ---- ابراہیم بھائی کی ---- جو تم پہن گئی تھیں ---- بلکہ پہن جاتی ہو روز ہی۔"
عاکف نے انگشت شہادت اس کی کنپٹی پہ مار مار کے بات سمجھائی۔ وہ ہڑبڑا کے وہیں بٹن کھولنے لگی عاکف برے برے سے منہ بناتے ابراہیم کی طرف مڑا۔
"اس کے یہاں ----" وہ دماغ پہ اشارا کرتے ہوئے بتانے لگا۔ "یہاں زور لگانا پڑتا ہے' باقاعدہ دستکیں دینی پڑتی ہیں پھر کہیں جاکے ایک روزن کھلتا ہے اور بات اندر گھس پاتی ہے اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے۔ بھیجے میں بات اتر بھی جائے تو عقل شریف ناک پہ انگلی دھر کے پوچھتی ہے "اے بہن ہم کون؟"
وہ خراب موڈ کے باوجود ہنس پڑا اور جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ اس دھپ دھپ کرکے اندر جانے والی "خبطی" سی لڑکی کو ابو جان نے اس کے مقدر پھوڑنے کے لیے منتخب کرلیا ہے تو ہنسی وہیں دم توڑ گئی اور رونا سا آگیا۔
وہ اپنا کمپیوٹر اٹھا تو لایا تھا لیکن ٹیلی فون کنکشن نہ ہونے کی وجہ سے انٹرنیٹ استعمال نہ کرسکتا تھا۔ ابھی اسی ارادے سے وہ انٹرنیٹ کلب گیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ وہاں لگانے کے بعد جب جانے کے ارادے سے نکلا تو ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ نیرا سے ملے کئی روز ہوچکے تھے' بے ساختہ آئی اس کی یاد نے خود بخود ہی گاڑی کا رخ اس طرف کردیا ویسے بھی گھر جانے کا اس کا ارادہ نہ ہو رہا تھا۔ صبح سے ندرت اپنی گڑیا کے ساتھ آئی ہوئی تھی' بچی تھی یا باجا' مسلسل بجے چلے جارہی تھی اور اسکول کے بعد اس کے دونوں سپوتوں نے بھی یہیں بلہ بولنا تھا۔ آفت قسم کے ان تینوں بچوں سے ویسے بھی وہ بڑا گھبراتا تھا اور سونے پہ سہاگہ ان کے ابا جان اعجاز جو اس قدر بے سروپا گفتگو کرتے کہ وہ عاجز آجاتا کبھی تو انتہائی بچکانہ فرمائش کی جاتی کہ صبح کے

اخبار میں جو خبریں چھپنا ہیں' وہ بتائی جائیں تاکہ قرب وجوار میں اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور باخبری کا رعب جھاڑا جائے اور کبھی فلاں ایکٹریس کی شکایتی شہ سرخی لگانے پہ اصرار ہوتا جس نے انہیں آٹوگراف دینے سے انکار کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم انتہائی کم ہمت انسان ہو۔"
پچھلے آدھ گھنٹے میں چوتھی بار نیرا نے کہا۔ "اب اگر تم نے اپنے پیرنٹس کے تجویز کردہ رشتے پہ اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرہی دی تھی تو لگے ہاتھوں انہیں اپنی پسند کے بارے میں بھی بتا دیتا تھا۔"
"یہ اتنا آسان نہیں تھا نیرا! ایک تو ان کے لیے میرا انکار ہی غیر متوقع تھا۔ اوپر سے میں نئے انکشافات کیسے کرتا۔"
"تم کہہ کے تو دیکھتے پھر شاید انہیں تمہارا انکار اتنا بے موقع اور بلاوجہ معلوم نہ ہوتا۔ وہ یہاں آئے بھی تو تھے' تم میرا تعارف کراتے ہوئے اسی وقت ساری بات انہیں بتا دیتے تو شاید وہ جانے سے پہلے ہی یہ مسئلہ حل کرجاتے۔ تم خود ہی تو بتا رہے ہو کہ وہ لڑکی ذرا بھی خاص نہیں۔ پھر مجھ میں بھلا کیا کمی تھی کہ انہیں کوئی اعتراض ہوتا بلکہ وہ تو خوشی خوشی تمہاری پسند کو اپنا لیتے۔"
نیرا کی خوش فہمیوں پہ ابراہیم بے بسی سے پیشانی مسل کے رہ گیا اب اسے کیا بتاتا کہ ابھی تو اس نے ہوا تک ہوا نہ لگنے دی تھی کہ وہ کسی کو پسند بھی کرنے لگا ہے' اس کے باوجود نیرا اور سائرہ آنٹی سے متعارف ہونے کے بعد امی اور ابو دونوں کے تاثرات کچھ خوشگوار نہ تھے۔ امی نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا۔
"بڑی مکار سی عورت لگ رہی ہے یہ تمہاری آنٹی۔ عجیب سی حرکتیں ہیں بلکہ پورا گھرانہ ہی عجیب سا ہے۔ اکلوتا بیٹا گھر داماد ہے کسی سیٹھ کا' بڑی بیٹی دادا کی عمر کے بندے سے بیاہی ہے جبکہ چھوٹی والی کچھ زیادہ ہی چھوٹی بن کے دکھا رہی ہے۔ شوہر ہے تو وہ بھی

زن مرید سا۔"
وہ امی کے اس بے لاگ تبصرے پہ جزبز ہوکے رہ گیا۔ انہوں نے ساری عمر ایک مخصوص ماحول میں گزاری تھی۔ اب انہیں انکل اور آنٹی کے زریں اصول و قواعد سے کیا روشناس کراتا بقول ان کے۔
"ہم نے اولاد کو پوری پوری مکمل آزادی دی ہوئی ہے۔ اولاد کو اپنی پرایپی جان کے اپنی مرضی پہ چلانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ یہ پیار نہیں بلکہ بلیک میلنگ ہوتی ہے۔ احتشام میرا اکلوتا بیٹا' دل تو نہیں چاہتا تھا ایک پل کو بھی نظروں سے اوجھل رہے لیکن وہ سمن سے بھی تو بے تحاشا محبت کرتا تھا اور سمن کے پیرنٹس کو اکلوتی بیٹی کے لیے ایسا شوہر چاہیے تھا جو ان کا گھر داماد بن کے رہے' ہم نے خود غرضی سے کام نہ لیا اور خوش دلی سے اسے وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ میرا اپنی دوست افروز کے تایا احمد یار خان کو پسند کرنے لگی جو عمر میں اس کے والد کے برابر ہیں۔ عشق اندھا ہوتا ہے' ہمارے سمجھانے بجھانے پہ بھی وہ نہ مانی پھر ہم نے محسوس کیا کہ خان صاحب خاصے مخلص انسان ہیں اور عمروں کے فرق کے باوجود دونوں میں انڈراسٹینڈنگ غضب کی ہے۔ زمانہ کیا کہے گا اور جگ ہنسائی وغیرہ کے خوف کو پرے جھٹکتے ہوئے ہم نے وہی فیصلہ کیا جس میں میرا کی خوشی تھی۔"
اسے سائرہ آنٹی کی وہ گفتگو یاد آئی' جو پہلی بار ان کے گھر آنے پہ سنی تھی لیکن وہ اسے امی جان کے سامنے دہرانے سے باز رہا انہوں نے تو ایسی روشن خیالی پر چار حرف بھیجنے تھے۔
"کیا سوچنے لگے؟" نیرا نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے۔
"ہوں ---- کچھ نہیں۔"
"دیکھ رہی ہوں۔ تم کچھ زیادہ ہی کھوئے کھوئے رہنے لگے ہو۔"
وہ اس کی قیاس آرائی کو جھٹلا نہ سکا۔ آج کل واقعی ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کچھ روز قبل تک وہ کتنا مگن تھا۔ روٹین کتنی تسلی بخش تھی۔

عرصے تک امی اور ابو کے سخت حفاظتی اقدامات والے لاڈ پیار میں رہنے کے بعد یہ نئی نئی آزادی اسے ہواؤں میں اڑانے لگی' وہاں تو اگر کسی کلاس فیلو لڑکی کا فون بھی بھولے بھٹکے سے آجاتا تو باقاعدہ تفتیش شروع ہو جاتی حالانکہ کوایجوکیشن میں پڑھنے کے باوجود اس کی کسی بھی لڑکی سے اس قسم کی دوستی نہیں تھی۔ یہ تو بس نیرا ہی تھی جو اپنی فطری بے ساختگی اور اپنائیت کی وجہ سے اتنی جلدی اس کے قریب آگئی تھی وہ تو پہلی ہی نظر میں ہی اس کے حسن سے گھائل ہو گیا تھا لیکن اگر نیرا پیش قدمی نہ کرتی تو وہ یونہی دل ہی دل میں اس حسن کو سراہتے ہوئے دوستی کی حسرت سمیٹے رہ جاتا جیسا کہ اس سے پہلے بھی دوبار ہو چکا تھا۔ لیکن اس بار ایسا نہ ہوا اور وہ اپنے دل کو زیادہ دیر تک سینے میں مقید نہ رکھ سکا۔ کتنے خوش گوار شب و روز تھے۔ گھر میں نہ ہوتے ہوئے بھی گھر جیسا سکون و آرام لیکن گھر والی روک ٹوک مفقود تھی۔

صبح صبح جب وہ لوٹتا تو نیرا کالج یونیفارم میں تیار بس اسی کی منتظر ہوتی۔ اس کا تر و تازہ چہرہ دیکھتے ہی ابراہیم کی ساری کوفت ہوا ہو جاتی۔ اور پھر آنٹی کا اصرار کر کر کے پر تکلف ناشتے کروانا۔ ایک لمبی سی نیند سے فارغ ہوتے ہی بھرپور شام اس کا انتظار کر رہی ہوتی' وہ ہوتا اور نیرا۔ اسلام آباد' راولپنڈی اور آس پاس کا کوئی مقام انہوں نے نہ چھوڑا تھا۔ لانگ ڈرائیو' میوزک کنسرٹ' شاپنگ مال' فائیو اسٹار میں بوفے۔

کیا مزے تھے اور امی ابو نے جیسے آکر ایک خواب سے جگا دیا تھا۔ نیرا جیسی زندگی سے بھرپور لڑکی کے ساتھ نے اس کے اندر ایسی ہی بھرپور زندگی جینے کے خواب جگا دیے تھے جبکہ موتی۔۔۔ ابو نے موتی کا نام اس کے ساتھ لے کر اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر وہ کبھی بھی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔۔۔ وہ کوئی بے زبان مشرقی دوشیزہ نہیں جس کا ہاتھ چپ چاپ کسی دوسرے کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔ وہ احتجاج کر سکتا تھا اور کر رہا تھا لیکن ایک بے چینی تھی۔۔۔ ایک اضطراب تھا جس نے اس کی ذات کا احاطہ کر رکھا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس مسلسل بے چینی کی وجہ سے وہ ابو جان کے جانے کے بعد بھی نیرا کے ساتھ اور قربت میں وہ سرشاری محسوس نہیں کر رہا۔

"کیا کچھ نہیں' کچھ تو ہے۔ جو بار بار تمہارا دھیان بٹ جاتا ہے۔" نیرا نے پھر تفتیش کرنا چاہی۔ اس نے بمشکل یہ کہہ کر ٹالا۔

"بس یار! کچھ اپ سیٹ ہوں۔"

"وہ تو ہو گے ہی۔ کتنا ان کمفرٹیبل فیل کرتے ہو گے تم اس پرانے سے محلے کے تنگ سے مکان میں۔ اگر اتنا ہی ضروری تھا ان ننھے منوں کی خبر گیری کرنا تو وہ آجاتے یہاں تمہاری سرپرستی میں۔ تمہیں بے آرام کرنا بہت ضروری تھا۔" وہ تنک کے بولی۔

"صدف جاب کرتی ہے۔ اس کا اسکول یہاں سے بہت دور پڑتا اور شام کو محلے کے کتنے ہی بچے اس سے ٹیوشن بھی پڑھتے ہیں۔ ان کا حرج بھی ہوتا۔"

"کون صدف؟ وہ والی۔؟" نیرا نے مشکوک سا ہو کے پوچھا تو باوجود ٹینشن کے ابراہیم کو اس کی فکر مندی پہ ہنسی آگئی۔

"نہیں یار! وہ تو ایکدم فضول سی لڑکی ہے' فرسٹ ایڑ فول۔۔۔ وہ کہاں اور بیجنگ کہاں۔ اسے تو بچوں سے ریسلنگ کرنے سے فرصت نہیں' پڑھائے گی کیا خاک' صدف پھوپھی جان کی بیٹی ہے اور ہاں۔۔۔ انگیجڈ بھی ہے۔"

اس نے فوراً ہی بتا دیا کہ کہیں وہ شک کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس بے ضرر سی لڑکی کو بھی نہ گھسیٹ لے۔

"او مائی گاڈ! کیا خاک آرام کر پاتے ہو گے تم۔ بھانت بھانت کے بچے اور وہ بھی سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے' تمہارے سر پہ ناچتے ہوئے چھ کا پہاڑا رٹتے ہوں گے کتنا عجیب سا ماحول ہوگا وہاں کا۔۔۔ نجانے تم کیسے ایڈجسٹ کرتے ہو گے۔ مجھے تو سوچ سوچ کر پریشانی ہوتی ہے۔ بہت تکلیف ہوتی ہو گی ناں وہاں رہنے میں۔"

اس نے ابراہیم کے شانے پہ ہمدردی سے ہاتھ رکھتے ہوئے لہجے میں زمانے بھر کی دردمندی سموتے ہوئے پوچھا تو وہ چاہتے ہوئے بھی رد نہ کر سکا کیونکہ اس کی بات جھٹلائے جانے کا ردعمل خاصا خوفناک ہوتا تھا۔ اس لیے مصلحتاً" چپ ہی رہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ یہ ساری اجنبیت اور تکلیف بس پہلے ایک دو دن کی بات تھی اور وہ بھی صرف اس کے اپنے گریز اور طبیعت کے تکدر کی وجہ سے ورنہ صدف اور اکو نے اسے ہر ممکن آرام پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں' اب باقی کے دن تم انہیں خود ہی اپنی دیکھ بھال کر لینے دو۔ آخر تمہارا اپنا آرام بھی تو ضروری ہے۔ تم یہیں چلے آؤ' تمہارے فادر پوچھیں گے تو کہہ دینا کہ تمہاری صحت اور کام دونوں پہ اثر پڑ رہا ہے۔ آخر انہیں تمہاری بھی تو فکر ہونی چاہیے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ نیرا! میں ٹھیک ہوں۔۔۔ ڈونٹ وری۔"

"وری کیسے نہ کروں اور میں نہ کروں تو اور کون ہے جو تمہارے لیے کچھ سوچے۔ تمہاری اتنی ٹف جاب ہے۔ تمہیں بالکل ریلیکس رہنا چاہیے۔ اتنی ٹینشن تمہارے کام پہ اثر ڈالے گی۔ تم بتا رہے تھے کہ تمہاری پروموشن ہونے والی ہے۔ اس کا کیا بنا۔؟"

ابراہیم نے موضوع بدل جانے پہ اللہ کا شکر ادا کیا اور بتانے لگا کہ چیف ایڈیٹر اس کے کام اور صلاحیتوں سے کس حد تک مطمئن ہیں اور شام کا روزنامہ اس کی زیر ادارت نکالنے کے پلان پر کام ہو رہا ہے۔

"فنٹاسٹک۔۔۔ یہ ہوئی ناں اچیومنٹ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ تم بہت آگے جاؤ گے۔ بہت سی روشنیاں۔۔۔ بہت بڑا نام۔۔۔ اور بہت سا پیسہ واؤ۔۔۔ بس اب پہلے تو تم اس ڈبیا سی کار سے نجات حاصل کرو۔ یہ تمہارے اسٹینڈرڈ سے میچ نہیں کرتی۔ تم تو مرسیڈیز یا کم از کم ہنڈا سوک میں ججو گے۔"

"ہاں' میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ اسے بیچ کر سوک یا اکارڈ لے لوں۔"

"بیچنا کیوں ہے۔ ایسا کرو' یہ بھی رکھ لو۔ کم از کم مجھے صبح اور دوپہر بس پہ کالج آنا جانا نہیں پڑے گا۔"

اس نے کمال بے تکلفی سے کہا تو ابراہیم کچھ کہہ نہ سکا اور ساتھ ہی اسے کچھ دن پہلے کا واقعہ یاد آگیا۔ وہ نیرا سے پوچھتے پوچھتے رک گیا کیونکہ اسے خود یقین نہ تھا' اس دن شاپنگ سینٹر سے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز اٹھائے' ایک نوجوان کے ساتھ باہر نکلتی وہ نیرا ہی تھی کیونکہ دس بارہ منٹ پہلے آنٹی نے اس کے سونے کی اطلاع دی تھی۔ ظاہر ہے وہ اس کی نظر کا دھوکا ہی تھا یا پھر حد سے زیادہ مشابہت۔۔۔ اس کا ذکر کرنا گویا نیرا کی ناراضی مول لینا تھا۔ وہ تو بھڑک جاتی یہ سنتے ہی کہ اس نے اس کی مما کے بیان کو جھوٹ کہا۔

"اور تم تو کبھی نہیں بھڑکتے جب وہ کھلم کھلا تمہارے ابو جان کے خلاف تمہیں بھڑکاتی ہے۔"

اندر سے کسی نے بڑی ناراض سی آواز میں جتا کر کہا تو وہ چونک پڑا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں یہی ہے وہ۔۔۔ یہی بات ہے جو مجھے اتنے دنوں سے بے چین کیے جا رہی ہے۔ نہ جانے کون اندر میری ہر بات پہ تلملا کے جواب دیے جاتا ہے۔" وہ مضطرب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے ابھی سے چل دیے' میں نے تو پاپا اور ماما سے کہہ بھی دیا کہ ہم ڈنر کرنے جا رہے ہیں اور یہ بھی کہ وہ کچھ نہ پکائیں میں واپسی پہ ان کے لیے پیک کروا لاؤں گی۔"

"نیرا۔۔۔! پلیز ڈونٹ مائنڈ' میری طبیعت ٹھیک نہیں' میں باہر سے کچھ کھانا نہیں چاہتا' پھر کسی دن۔۔۔"

"اونو' کلچرل کمپلیکس میں اتنا شاندار فوڈ فیسٹول لگا ہے۔ آج لاسٹ نائٹ ہے پھر ایسا کرو' مجھے بحریہ ٹاؤن ڈراپ کر دو۔ میں اپنی فرینڈ کے ساتھ ہی چلی جاؤں۔ تین دن سے وہ مجھے ساتھ چلنے کو کہہ رہی ہے مگر میں تمہارے ساتھ جانا چاہ رہی تھی۔ اس لیے ٹالے گئی۔ چلو اب کم از کم ان ہی کے ساتھ چلی جاؤں۔ تمہیں تو نجانے کیا ہو گیا ہے اتنے دنوں بعد آئے ہو اور وہ بھی

"اتنے آف موڈ کے ساتھ۔"

وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی' سائیڈ پہ پڑا گرین اور بلیک پاؤچ اٹھا کے اندر جھانکنے لگی تو ابراہیم سمجھ گیا' اب اسے ڈراپ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ گرین جینز پہ بلیک اور سلور سلیولیس ٹاپ تھی۔ اگرچہ ہیٹر والے بیڈ روم سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے بلیک کوٹ پہن لیا تھا لیکن ٹاپ کا حد سے زیادہ کھلا گریبان اور ٹانگوں پہ پھنسی ہوئی جینز ستر پوشی کے لیے ناکافی لگ رہی تھی۔ وہ ٹوکنا چاہتا تھا کہ نیرا کے اگلے مطالبے پہ بری طرح چونک گیا۔

"مجھے ٹو تھاؤزنڈ دے دو۔"

"واٹ؟"

"ٹو تھاؤزنڈ...... اونلی ٹو...... تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں نے نجانے کیا کچھ مانگ لیا ہو۔ ظاہر ہے' اتنے مہنگے فوڈ فیسٹیول میں جا رہی ہوں۔ میری پاکٹ منی تو تم جانتے ہی ہو گیا ہے۔ مما بے چاری خود بابا کے گھر بیٹھے رہنے سے پریشان رہتی ہیں۔ ان سے کیا مانگوں؟"

ابراہیم نے چپ چاپ ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کے اسے تھما تو دیے مگر سارے راستے کوئی بات تھی جو کھٹکتی رہی' اندر سے بار بار کوئی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتا لیکن وہ سختی سے اس آواز کا گلا گھونٹ دیتا۔ جو بھی تھا' وہ نیرا کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات دل میں لانا تک نہ چاہتا تھا۔ لیکن کچھ تھا...... کچھ تھا جو کھٹک رہا تھا...... شاید پنڈی کے سب سے پوش ایریا میں موجود لن کے خوبصورت سے بنگلے کا ہونا...... اور اس بنگلے میں رہنے والی فیملی کے سرپرست کا ہر وقت ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہنا...... کسی معقول آمدنی کا ذریعہ نظر نہ آنے کے باوجود ان سب کے شاہانہ رہن سہن کے انداز...... یا پھر نیرا کو ماں باپ سے ملنے والی حد درجہ آزادی اور چھوٹ۔

پہلے پہل اسے یہ آزادی بڑی بھائی تھی۔ بغیر کسی کھٹکے کے وہ دیر رات گئے تک اسے لے کر اسلام آباد کی خوبصورت سڑکوں پہ پھرا تھا' اونچے سے اونچے ریستوران میں کافی پی تھی' پی سی کے بوفے لان میں ڈنر کیے تھے لیکن جب سے اس نے نیرا کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا تھا' اسے یہ سب وقت بے وقت کھٹکنے لگا تھا۔ نیرا کی بے تکلفی اسے کبھی بری نہ لگی تھی لیکن سائرہ آنٹی کا بلا تردد اس سے کچھ بھی مانگ لینا اسے کھلتا تھا۔ وہ باہر جا رہا ہوتا اور انکل آوازیں لگاتے۔

"فلاں سی ڈی' فلاں سگریٹ......" یا پھر آنٹی نکلتے ہوئے سپر اسٹور سے لانے والی گروسری کی لسٹ تھما دیتیں۔ کبھی کبھی بل بھی جمع کرانے کو دے دیتیں...... صرف بل...... اسے یہ سب پہلے برا محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہ اسے اس فیملی کی اپنائیت پہ محمول کرتا رہا لیکن جب سے وہ پھوپھی جان کے گھر گیا تھا' جو حقیقتاً اس کے اپنے تھے۔ اسے اندازہ ہوا تھا کہ اپنائیت کا اظہار رکھ رکھاؤ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے بغیر اپنے وقار کو ٹھیس لگائے۔

☼ ☼ ☼

"ہائے...... ہائے چچی...... میں مر گئی...... اف۔"

آج اتوار کا دن تھا' عموماً وہ ساڑھے آٹھ بجے سوتا تو ڈیڑھ دو بجے تک ہی جاگتا لیکن اتوار کو ٹیوشن پڑھنے والے بچے دن کو گیارہ بجے بھی آجاتے اور ان کی آوازوں سے اس کا دیر تک سوئے رہنا دشوار تھا حالانکہ صدف کافی کنٹرول رکھتی تھی بچوں پر لیکن پھر بھی اتنے چھوٹے سے گھر میں کتنی خاموشی رہ سکتی تھی۔ اس کی نیند تو یوں بھی بگڑ چکی تھی۔ رشک اسے موتی پہ آتا جو واقعی چھٹی کا دن منایا کرتی۔ بارہ بجے سے پہلے کبھی اس کی صبح نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت بھی ابراہیم ناشتے کے بعد گرما گرم چائے کی چسکیاں لیتا ہوا صحن میں بیٹھا عاکف سے گپ شپ کر رہا تھا کہ موتی کی ہائے ویلا نے دہلا کے رکھ دیا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ شاید صدف سے پڑھنے کے لیے آئے بچوں میں سے کسی کے ساتھ معرکہ ہوا ہے لیکن اگر ایسا ہوتا تو آواز

موتی کے بجائے ان میں سے کسی ایک کی آتی کہ ہمیشہ زیادتی موتی کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔

"کیا ہوا؟" صدف بھی بوکھلا کے اندر بھاگی۔ ابھی کچھ لمحے پہلے تو وہ کمبل میں بکل مار کے لیٹی موتی کو ہلا ہلا کے جگانے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد کمرے سے نکلی تھی۔ ابراہیم بھی چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ کے اندر دیکھنے لگا۔ عاکف البتہ بڑے اطمینان سے اخبار کے پیچھے مگن ہو گیا۔

"ہائے میرا سر...... ہائے میرا پیر......"

"کیا ہوا؟ سر پہ لگی یا پیر پہ اور یہ تم گریں کیسے؟"

"آپی! دیکھ نہیں رہیں یہ میرا بندھا ہوا پیر...... اٹھ کے ابھی دو ہی قدم چلی تھی کہ دھڑام سے گر گئی۔ نجانے کس نے دوپٹے سے میرا پیر باندھ کے دوپٹے کا دوسرا کونہ پلنگ کے سرے سے باندھ دیا۔ پیر بھی مڑ گیا اور یہ سر بھی اتنے زور سے سامنے کرسی پہ لگا۔"

اس کے رونے چلانے پہ ابراہیم نے سامنے بیٹھے عاکف کے چہرے سے اخبار ہٹایا۔ وہ مسکرائے چلا جا رہا تھا' راز کھلنے پہ کھلکھلا کے ہنس پڑا۔ ابراہیم نے جلدی سے ہونٹ بھینچ کر بے ساختہ وارد ہوئی مسکراہٹ پہ قابو پایا اور اسے تنبیہی نظروں سے گھورنے کی کوشش کی لیکن اندر ہونے والے سین کے تصوراتی مزے نے ایسی گدگدی کی کہ نظروں سے بھی گدگداہٹ امڈے چلی جا رہی تھی' اسی لیے عاکف نے ذرا برابر پروا نہ کی بلکہ اسے اور اکسایا۔

"ہنسنے والی بات ہے بھائی! ہنسیں ناں......"

اور وہ بھی اکو کے قہقہے میں شریک ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ عاکف کو اس کی غیر ذمہ داری اور لاپروائی پہ ٹوکتے ہوئے اپنے پر مغز لیکچر سے مستفید کر رہا تھا۔ کئی دن کے بعد آج ایسا موقع ہاتھ لگا تھا' سو اس نے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا سوچا۔ عاکف کے موقف کا بھی پتا چلا۔

"ابراہیم بھائی! میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں کوئی بہت ذہین و فطین یا کتابی کیڑا تو تھا نہیں کہ اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں بیٹھ کے پڑھنے کے بعد نامور سرجن بن کے ابھرتا یا پھر صبح اخبار بیچ کر اور شام کو ٹریفک سگنل کے قریب موتیے کے گجرے بیچ بیچ کر بھی پائے کا وکیل بن جاتا۔ لیکن ایسا بھی نہ تھا کہ میں پڑھ ہی نہیں سکتا تھا' موقع ملتا' حالات اجازت دیتے تو شاید کچھ بن ہی جاتا' میں جانتا ہوں' ٹاٹ کے اسکولوں سے بھی کتنے کتنے نامور سائنس دان' صحافی اور ادیب نکلے ہیں لیکن بھائی وہ اور زمانہ تھا اب ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ آج کے انجینئرز' ڈاکٹرز ہائی کوالیفائیڈ ہوتے ہیں اور وہ بھی فارن سے۔ میرے ابا جی مجھے پیلی دیواروں والے اسکول میں ہی پڑھا سکتے تھے۔ میں واجبی سا طالب علم تھا' رل کھل کے (بمشکل) پاس ہی ہوتا رہا۔ صدف آپی تو خاصی لائق فائق ہیں' میٹرک میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی لیکن کیا فائدہ...... میڈیکل میں پڑھانے کے وسائل تو تھے نہیں' بی ایس سی بھی انہوں نے ٹیوشنز پڑھا پڑھا کے کیا۔ میں تو یہ بھی نہ کر سکا میٹرک میں اتنے نمبر ہی نہ آئے کہ جنرل سائنس یا کامرس میں بھی سبجیکٹس رکھ لیتا' آرٹس میں ہسٹری اور سوکس جیسے مضامین کے ساتھ بی گریڈ بی اے کرنے کے بعد میرے لیے کیا ملازمت بچتی ہے۔ لڑکیاں پھر اچھی رہتی ہیں۔ بی گریڈ بلکہ سی گریڈ میں بھی بی اے اور ایف اے کرنے کے بعد گلی اور محلوں میں کھلے چھوٹے موٹے اسکول انہیں کھپا ہی لیتے ہیں۔"

"خیر کما کیا لیتی ہوں گی وہ ان اسکولوں سے۔ ہزار...... ؟ بارہ سو؟ پھر کتنی ایسی ہیں جو اپنی فیملی کی کفالت کرتی ہیں؟ زیادہ تر تو شوقیہ یا پھر ٹائم پاس کے لیے ٹیچنگ کرتی ہیں۔ مردوں کا ایک اپنا کردار ہوتا ہے سوسائٹی کے سیٹ اپ میں۔ انہیں اپنی پلاننگ ایسی کرنی چاہیے کہ ایک واضح راہ نظر آتی ہو۔ تمہیں پتا تھا کہ تم اس گھر کے واحد کفیل ہو' تمہیں ابتدا ہی سے......"

"مگر کیسے...... ؟ یہی تو سوال ہے کہ کیسے؟" وہ بات کاٹ کے چلایا تھا۔ "مجھے ٹیوشنز کی ضرورت تھی' ابا اکیڈمیوں کی فیسیں نہیں بھر سکتے تھے۔ کالج میں ریفرنس بکس چاہیے ہوتی تھیں' وہ میں سیکنڈ ہینڈ بھی

نہیں خرید سکتا تھا۔ کیسے میں لاء کالج یا انجینئرنگ یونیورسٹی تک پہنچتا۔ اور اب اس فضول سی ڈگری کے ساتھ کوئی مجھے کلرک کی جاب بھی نہیں دیتا' اس کے لیے بھی لوگ تجربہ مانگتے ہیں۔ بتائیے' وہ کہاں سے لاؤں' کس بینک میں ڈاکہ ڈالوں اور تجربہ اڑا لاؤں؟"

"پھر بھی تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ ایسا کب تک چلے گا۔ پھوپھی اماں تمہاری وجہ سے کتنی پریشان رہتی ہیں' برا مت ماننا' میں تمہارے ذاتی معاملے میں دخل دے رہا ہوں لیکن ایسا کرنے کو مجھے ابو جان نے یعنی تمہارے ماموں نے کہا تھا' وہ خود تمہیں کہنے کا حق رکھتے ہیں مگر ان کے خیال میں تم میرے سامنے زیادہ ایزی ہو کے بات کر سکو گے' اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں نے کیا کہنا ہے بھائی! اور کیا کرنا ہے۔ رہا سوال برا ماننے کا تو ایسا میں کیوں کروں گا۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ بازپرس کا پورا حق رکھتے ہیں مجھے تو اچھا لگا آپ کا اتنی اپنائیت سے یہ بات کرنا لیکن کیا کروں آپ کی ساری باتیں درست لیکن میرے سامنے کوئی راستہ بھی تو نہیں۔ ابا جی کوئی لمبا چوڑا کاروبار تو چھوڑ نہیں گئے تھے جو میں وہ آگے بڑھا لوں' ایک معمولی سی کریانے کی دکان تھی جو ان کے بعد امی نے کرائے پہ چڑھا دی۔ اب میں کم از کم وہاں بیٹھ کے ساری عمر تیل اور مسالے تو نہیں بیچ سکتا مجھے معمولی کام کرنے سے انکار نہیں مگر ترقی کا کوئی چانس بھی تو ہو۔ ابا بھی مرنے سے پہلے تو اس دکان سے نہ نکل سکے تھے۔ دوسرا کوئی کاروبار شروع کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہاں سے لاؤں سرمایہ......"

ابراہیم کو اس کے سوال پہ ابو جان کی وہ بات یاد آئی کہ وہ عاکف کو اپنے کاروبار کی ذمہ داریاں سونپنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بظاہر اسے بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ اگر وہ بزنس مائنڈڈ نہیں ہے اور اپنی فیلڈ میں اس کی ترقی کے روشن امکانات اسے نظر آ رہے ہیں تو اسے کیا حق ہے ابو کے محنت سے بنائے بزنس اسٹیٹس کو ملیامیٹ کرنے کا۔ برسوں بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ اگر عاکف جیسا گھر کا بندہ ان کا بازو بن جائے تو ان کی مایوسی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور بہن کے کام آ کے ان کی خود ساختہ پشیمانی بھی مٹ جائے گی ابھی وہ عاکف کو اس طرف لانے کے لیے بات کرنے کی تمہید باندھنے ہی والا تھا کہ موتی بیچ میں ٹپک پڑی۔ ماحول کی ساری سنجیدگی قہقہوں میں اڑ گئی۔ موتی لنگڑاتی ہوئی پل میں ان کے سامنے موجود تھی۔ عاکف کے بلند و بانگ قہقہے اسے سمجھا گئے تھے' یہ حرکت کس کی تھی۔ اب وہ تقریباً" اس پہ پل پڑی تھی۔

"تم...... ذلیل انسان...... کمینے...... پتا نہیں کیوں میرے پیچھے پڑے رہتے ہو' اگر میری ٹانگ ٹوٹ جاتی؟ اگر میری آنکھ پھوٹ جاتی؟"

"تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو جاتی...... چار چاند لگ جاتے تمہاری بے مثل شخصیت میں۔" وہ ڈھیٹوں کی طرح ہنستا رہا۔

"آنے دو چچی کو' تمہاری ٹانگیں تڑواتی ہوں۔" اس نے "تڑی" لگائی۔

"توڑنے تڑوانے کے علاوہ کوئی کام آتا ہے تمہیں۔ کبھی کچھ جوڑنے کی' کچھ ملانے کی باتیں بھی کر لیا کرو۔"

وہ بڑبڑایا تو موتی ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتی خاموشی سے پلٹ گئی۔ ابراہیم نے اس کی پسپائی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے سامنے دیکھا تو عاکف بھی ہارا ہوا سا لگ رہا تھا' اسے متوجہ دیکھ کر خوامخواہ دانت نکالنے لگا۔

"عجیب تماشا ہے یہ بھی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔"

"کیوں اتنا ستاتے ہو بیچاری کو۔" اس نے کریدنا چاہا۔

"کیونکہ اس سے زیادہ میں ستا ہی نہیں سکتا۔" فوراً" جواب ملا۔

"ستا سکتے ہو...... اگر اس سے تمہاری شادی کروا دی جائے۔"

یہ جملہ اتنا اچانک تھا کہ عاکف اپنے تاثرات پہ قابو

تک نہ پاسکا حالانکہ اس فن میں اسے کمال حاصل تھا اور اس کمال کے مظاہرے ابراہیم کتنی ہی بار دیکھ چکا تھا۔ اس کی حیرت بھری خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"بچپن کی محبتیں بڑی زور آور اور شدت پسند ہوتی ہیں۔۔۔ یہ تم ہی نے کہا تھا۔"

"وہ تو میں نے اپنی اور راجہ کی محبت کے بارے میں کہا تھا۔" وہ صاف مکر گیا۔

"بکواس مت کرو' میں سب جانتا ہوں۔ ایک طرف اپنائیت اور دوستی کے دعوے کرتے ہو' دوسری جانب خود کو سینت سینت کے رکھتے ہو۔"

"پھر کیا کروں' عیاں کرنے کو اور ہے ہی کیا۔ یہ نامکمل' ناکام وجود۔"

"عجیب انسان ہو تم۔ یہ ناکامیاں کوئی تم مقدر میں تو لکھوا کے نہیں لائے اور وہ کون سا کوئی کہیں کی شہزادی ہے یا رئیس زادی۔ گھر کی ہی بات ہے' اچھا ہے گھر میں نمٹ جائے۔"

"آپ نہیں جانتے' امی نے اس کے بارے میں کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے ہیں۔ وہ اس سے محبت کرتی ہیں ناں اور۔۔۔ اور میں بھی۔۔۔"

اس نے سر جھکا کے اعتراف کیا۔

"ہم سب اسے چاہتے ہیں' اسے سنبھال کے رکھتے ہیں۔ امی کیسے میری یہ خواہش مان لیں گی۔ لوگ کیا کہیں گے۔ ساری عمر لاڈ پیار سے پالا اور اپنے نکمے لڑکے کے پلے باندھ دیا۔ انہوں نے ماموں جان سے بات کی ہے کہ وہاں لاہور میں اگر کوئی رشتہ ہو تو بتائیں اور انہوں نے امی سے وعدہ بھی کیا ہے۔ وہ بہت خوش ہیں کہ موتی کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہنستا بستا دیکھ سکیں گی۔ میں اپنی خواہش کا اظہار کر کے کیسے انہیں امتحان میں ڈالوں۔ ساری عمر انہوں نے پلڑا برابر رکھا ہے' کہیں میری محبت حاوی ہو کے ان سے بے ایمانی نہ کروا لے۔ میں انہیں اللہ کے سامنے شرمندہ نہیں کرانا چاہتا۔"

ابراہیم ششدر بیٹھا' اس بے پروا سے نظر آنے والے ناتجربہ کار لڑکے کی باتیں سنتا رہا۔ یہ فلسفہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"لیکن اگر تم چاہو تو ہمت کر کے۔۔۔ میرا مطلب ہے حالات سدا ایک سے نہیں رہتے۔ ہو سکتا ہے اللہ نے تمہارے حصے کی خوشیاں اس کے مقدر سے باندھ رکھی ہوں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔۔۔ مکمل مایوس تو میں بھی نہیں۔ اللہ کے در سے امید تو ہے لیکن اس امید کے سہارے کسی معصوم کی زندگی کو داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔ امی جان ندرت کا دکھ جھیل رہی ہیں' صدف کا معاملہ بھی سالوں سے لٹکا ہوا ہے۔ ایسے میں اگر موتی۔۔۔ اور وہ بھی میری وجہ سے اگر کچھ غلط ہوا تو وہ مجھے تو بھلے معاف کر دیں۔ خود کو کبھی نہ کر سکیں گی۔ میں تو اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ جو اس کے اور میرے حق میں بہتر ہو وہی کرے۔ ہو سکتا ہے' جلد ہی ماموں جان کی وساطت سے کوئی بہترین شخص اس کا مقدر بن جائے۔ یقین کریں مجھے بھی اتنی ہی خوشی ہو گی جتنی کہ امی جان کو۔"

وہ نم پلکیں تیزی سے جھپکتا ہوا ابراہیم کو بڑا اونچا اونچا سا لگا۔

"اور اگر قسمت کی طرف سے ہی دیر ہو گئی اور اس کی شادی ہونے سے پہلے پہلے میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہو گیا تو میں سمجھ جاؤں گا۔ اللہ نے اسے میرے لیے منتخب کر رکھا ہے لیکن اس سے پہلے نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ ورنہ ہر محرومی پہ ہر کسک پہ یہ مجرمانہ احساس کچوکے لگائے گا کہ شاید وہ اس سے بہتر کی مستحق تھی اور میں نے جلد بازی میں مداخلت کر دی۔"

ابراہیم اتنا متاثر ہوا کہ اس سے ابو جان اور ان کے بزنس والا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ صدف کی آواز نے بھی توجہ بانٹ لی۔

"اکو! رضیہ خالہ ہاسپٹل سے گھر آ گئی ہوں گی؟"

"پتا نہیں' لیکن میرا خیال ہے' آ گئی ہوں گی۔ کل جب میں انہیں دیکھنے ہاسپٹل گیا تو ذکر ہو رہا تھا کہ آج صبح ڈسچارج ہو جائیں گی۔"

"اچھا۔ میں انہیں دیکھ کے آتی ہوں۔ امی ہوتیں تو اب تک کئی چکر لگا لیے ہوتے۔"

اس نے بڑا سا دوپٹہ اچھی طرح لپیٹنے کے بعد ٹوکری اٹھائی جس میں کینو اور سیب سلیقے سے لگے ہوئے تھے۔

"کہیں دور جانا ہے؟" ابراہیم نے اس کے گرد مضبوطی سے لپٹے دوپٹے کو دیکھ کے یونہی پوچھا۔ اسکول جاتے ہوئے وہ اس دوپٹے سے بڑی چادر اوڑھا کرتی تھی اور اس سے بھی پہلے سر پہ ایک سیاہ اسکارف باندھ لیا کرتی تھی جس سے اس کے سر کے بال تک چھپ جایا کرتے۔ یہ اہتمام غالباً اس لیے ہوتا تھا کہ بس اور ویگن پہ اترتے چڑھتے ہوئے چادر سرک جانے سے وہ بے پردہ نہ ہو۔

"نہیں۔ یہ برابر والے گھر تک جانا ہے۔ خالہ کا گردے کا آپریشن ہوا ہے۔"

وہ چلی گئی اور ابراہیم کو کچھ دیر پہلے عاکف کا صدف کے بارے میں کہا گیا جملہ یاد آیا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے صدف کے متعلق کہ اس کا معاملہ سالوں سے لٹکا ہوا ہے۔ پھوپھی اماں نے تو ابو جان کو یہی بتا رکھا ہے کہ وہ اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہے۔"

"ہے نہیں تھی۔ نجانے امی جان کس آس پہ اب تک "تھی" کو ہے کہنے پہ بضد ہیں۔ شہزاد کینیڈا گیا تھا اور جاتے ہی اس کی شادی کی خبر بھی آ گئی' چچا جان نے شرمندگی مٹانے کو اس وقت تو کہہ دیا کہ شہزاد نہ سہی' وسیم تو ہے' صدف میرے ہی گھر جائے گی۔ امی جان نے آنسو پونچھ لیے اور یہی وہ چاہتے تھے کہ بات آگے نہ بڑھے اور خاندان بھر ان کے خلاف نہ ہو جائے۔ وہ دن اور آج کا دن' پلٹ کے انہوں نے یہ ذکر نہیں چھیڑا۔ امی جان منتظر ہیں اور اپنے رکھ رکھاؤ کی وجہ سے خود یہ ذکر چھیڑ بھی نہیں سکتیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ لڑکی اتنی بھاری ہے جو خود آگے بڑھ کے پیش کر رہے ہیں۔ صدف نے بھی اس سلسلے میں امی پہ حد نافذ کر رکھی ہے۔"

"ایسا کب تک چلے گا؟ پھوپھی اماں کو موتی کی فکر کرنے کے بجائے صدف کے لیے پیش رفت کرنی چاہیے۔ تمہارے چچا سے آس رکھنا فضول ہے' انہوں نے کچھ کرنا ہوتا تو کر چکے ہوتے۔"

ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی آیا کہ آخر پھوپھی اماں نے اپنے بھائی کی توجہ موتی کی طرف کرنے کے بجائے صدف کی طرف کیوں نہ دلائی' ابو جان تو جی جان سے راضی ہو جاتے۔

"صدف آپی نے ہی منع کر رکھا ہے۔ وہ چاہتی ہیں۔ موتی کی شادی تک سب میں یہ بات پھیلی رہے کہ وہ منسوب ہیں' تاکہ آنے والے ہر اچھے پروپوزل کے بارے میں موتی کے حوالے سے سوچا جائے۔ اس کے علاوہ گھریلو حالات بھی انہیں باندھے ہوئے ہیں۔ میں کڑھتا رہتا ہوں یہ سوچ سوچ کر کہ اگر میں کسی قابل ہوتا تو میری بہن ساری فکروں سے آزاد آج اپنے گھر بار کی ہوتی۔"

وہ روہانسا ہو گیا تو ابراہیم نے دلاسا دینے کے لیے اس کے شانوں پہ بازو دراز کیا۔

"تم آج' ابھی' اسی وقت سنجیدہ ہونے اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کا وعدہ کرو۔ میں تمہیں ان پشیمانیوں سے کھینچ نکالنے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

"کیسے؟"

"بس کچھ دو اور کچھ لو۔۔۔ کچھ مدد تم میری کرو۔ کچھ میں تمہارے کام آتا ہوں۔ تم جانتے ہو' یہ بزنس وغیرہ میرے بس کا روگ نہیں۔ میں کری ایٹو مائنڈ (تخلیقی ذہن کا آدمی) ہوں۔ اس فیلڈ سے وابستہ ہونے کے بعد مجھے حقیقی معنوں میں طمانیت نصیب ہوئی ہے لیکن ابو جان چاہتے ہیں کہ اویس بھائی کے جانے کے بعد میں ان کا بزنس سنبھالوں' وہ اب اتنے بوجھ سے تھکنے لگے ہیں۔ بات ان کی بھی ٹھیک ہے۔ سالوں کی محنت کے بعد انہیں بھی سہارا چاہیے لیکن غلط میں بھی نہیں جو کام میرے بس کا ہے ہی نہیں' اس میں ہاتھ ڈال کے کیوں جمے جمائے بزنس کا اور خود اپنا بھی بیڑا غرق کر لوں۔ آخر تم اس مسئلے کا حل کیوں نہیں بن

جاتے۔ ابو جان کسی غیر پہ بھروسا کرنے کو تیار نہیں اس لیے یہ ذمہ داری مجھے سونپنا چاہتے ہیں لیکن تم تو ان کے اپنے ہو۔ تم ایسا کر کے نہ صرف ان کی مشکل آسان کرو گے بلکہ مجھ پہ بھی ایک بڑا احسان کرو گے میں ذرا یکسوئی سے اپنا کام کر سکوں گا۔ پھر کیا خیال ہے؟"

"میں... میں بھائی... مگر کیسے؟ وہ ماموں جان..." وہ بے یقینی کے عالم میں تھا۔

"ارے وہ تو شکر ادا کریں گے' تم ہامی تو بھرو۔" اور اس نے ہامی کیا بھرنی تھی' اٹھ کے ابراہیم کو بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ اس اچانک محبت بھرے مظاہرے پہ ہڑبڑا گیا۔ سینے کے اندر تک اتری عجیب سی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی پرسکون کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے نیرا سے ملے کئی روز ہو چکے تھے' اس گریز کی وجہ وہ الجھن اور ہچکچاہٹ تھی جس نے ابراہیم کے دل ودماغ میں ڈیرے ڈال رکھے تھے' فطرتاً" وہ لاابالی تھا اور عادتاً" ذرا روکھا سا بھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نیرا کی چند روز کی رفاقت اسے سراپا ہی بدل ڈالتی۔ اس میں ابھی اتنا حوصلہ نہ ہوا تھا کہ وہ ابو جان کے فیصلے کو رد کرنے کے بعد مطمئن پھرتا رہتا۔ جب سے وہ گئے تھے۔ ایک بے چینی اور خلش اس کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ وہ اکثر سوچتا۔

"کیا اپنی پسند سے شادی کرنا یا کسی ناپسندیدہ ہستی سے شادی کرنے سے انکار کرنا اتنا بڑا جرم ہے' جس کی پاداش میں میرا ضمیر مجھے کچوکے لگاتا رہتا ہے۔"

جواب ہمیشہ نفی میں آتا۔

"پھر کیا ہے... کیا ہے جو میں خود اپنے آپ سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ کیوں نہیں ان کے آگے نیرا کا نام لے پاتا۔"

اور یہیں آ کے وہ ہار جاتا نجانے کیوں نیرا کا نام ان کے سامنے لینے سے وہ ہچکچاتا تھا۔ شاید اس کے اندر یہ یقین بھرا خوف پہلے سے موجود تھا کہ نیرا بے شک اتنی حسین ہے' اتنی پرکشش ہے کہ کوئی بھی مرد اس کی قربت چاہے گا' اسے اپنانا چاہے گا لیکن اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ کوئی مرد اسے فخر سے اپنی ماں کے سامنے لے جا کے کھڑا کر سکے۔ اسے اپنے والدین کی مخالفت پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی۔

"تو تمہیں پہلے نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی تمہارے فیملی سیٹ اپ سے بالکل بھی میچ نہیں کرتی۔" اندر پھر سے سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"عشق بھی بھلا دیکھ بھال کے کیا جاتا ہے۔" اس نے بے بسی سے سوچا۔

"اوہو... عشق؟ پہلے یہ فیصلہ تو کر لو کہ یہ عشق ہے یا کچھ اور... ایک خوبصورت ماڈرن سی لڑکی کسی پہ مائل بہ کرم ہو اور وہ کنی کترا جائے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور جوانی میں کس کے قدم نہیں ڈگمگاتے' رنگینیاں کسے نہیں لبھاتیں۔ تمہیں بھی اپنی شامیں پرلطف لگنے لگیں' ایک قاتل ادا حسینہ کو ساتھ لیے پھرنے میں تمہیں بھی مزا آنے لگا اور پھر ایسے میں اگر نہ روک ٹوک ہو نہ پکڑے جانے اور سرزنش کا خوف ہو تو معاملات یوں ہی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں چونکہ فلرٹ بازی' اور دھوکا دہی تمہاری عادت ہے نہ ہی ایسا کوئی تجربہ ہے۔ اس لیے تم نے بھی اگلا قدم شادی کا سوچا۔ یہ ایک سیدھی سادی سی سائنٹیفک سی اسٹوری ہے۔ تم اسے خوامخواہ رومانی رنگ دینے پہ تلے ہوئے ہو۔ اگر ایسا ہی طوفانی عشق اور ٹھاٹھیں مارتی محبت ہے تو فخر سے سر اٹھا کے باپ کے سامنے اس کا نام کیوں نہیں لے لیتے۔ آخر موتی کے لیے بھی تو تم نے فوراً" انکار کر دیا تھا ناں... اس لیے کہ تم خود کو اس میں حق بجانب سمجھتے تھے اس لیے بات کرنے سے ہچکچائے اور نہ جھجکے پھر آخر نیرا کے بارے میں آگاہ کرنے سے پہلے تمہارے قدم کیوں لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اس لیے کہ تمہارے اندر کا وہی روایتی سا' شریف سا بندہ خود بھی اسے بطور بیوی تسلیم کرنے سے کترا رہا ہے۔"

"واٹ ربش... کیا برائی ہے اس میں؟" اس نے اپنے ہی خیالات کو رد کیا۔ "اچھی بھلی لڑکی ہے بس ذرا اس کے اور ہمارے گھرانے کے لائف اسٹائل میں فرق ہے۔"

"ذرا؟" وہ جھینپا لیکن پھر بھی آئینہ دیکھنے سے کتراتا رہا۔ اور یہی گریز اسے کئی روز تک چکلالہ جانے سے روکتا رہا۔ نیرا کے سوالات اور بھی زچ کر ڈالتے تھے' اس کے پاس بھی تو آج کل بس یہی ایک موضوع رہ گیا تھا اور یہی ایک سوال۔

"آخر تم اپنے پیرنٹس سے کب بات کرو گے؟"

لیکن کل فون پہ وہ کچھ اتنے اکھڑے انداز میں بولی کہ ابراہیم کو اندازہ ہو گیا اب کے یہ ناراضی آسانی سے ختم ہونے والی نہیں۔ اس نے فی الفور وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہاں نیرا نے چھوٹتے ہی کچھ ایسی بات کی کہ وہ دم بخود رہ گیا۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ آخر آج بھی اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ کتنے مزے سے اس نے مشورہ دیا تھا۔

"کیوں نہ ہم تمہارے پیرنٹس کے آنے سے پہلے پہلے شادی کر لیں۔"

"کیا؟ شادی کر لیں؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"شادی کا ہی تو کہہ رہی ہوں' خودکشی کا مشورہ تو نہیں دے دیا۔" وہ اس کے شدید ردِعمل سے خائف ہوئے بغیر بگڑ کے بولی۔

"میں اپنے امی ابو کے بغیر' ان کی غیر موجودگی میں کیسے تم سے شادی کر سکتا ہوں۔ یہ خیال دل سے نکال دو۔"

اس نے نیرا کے بچکانہ رویے کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تحمل سے کام لیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس احمقانہ تجویز کو سنتے ہی یہاں سے نکل جائے۔

"کس نے یہ خرافات تمہارے ذہن میں ڈالیں؟"

اسے شک تھا' یہ پی سائرہ آنٹی نے بیٹی کو پڑھائی ہو گی۔

"کیسی خرافات؟ تم مجھے پسند کرتے ہو۔ میں تمہیں... اگر کوئی تیسرا درمیان میں آ رہا ہے تو اسے کک آؤٹ کر دو۔"

اس کے "کک آؤٹ" کہنے پہ ابراہیم بھڑک اٹھا۔

"مائنڈ یور لینگویج نیرا..." وہ بھی سنبھل گئی۔ ذرا لگاوٹ سے کہنے لگی۔

"دیکھو ابراہیم! تمہارے رویے سے مجھے لگ رہا ہے نہ تو کبھی تم ہمت کر سکو گے ان کے آگے اسٹینڈ لینے کی اور نہ ہی وہ تمہاری مانیں گے۔ اس کا یہی حل ہے کہ ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھائیں اور شادی کر لیں۔"

"نیرا! ایسی شادیاں بابرکت نہیں ہوتیں جس میں بزرگوں کی رضا اور خوشی شامل نہ ہو۔"

"تو میرے ماما' پاپا راضی ہیں نا... وہ کروائیں گے یہ شادی اور بلیو می تمہارے پیرنٹس بھی کچھ ہی دنوں میں مان جائیں گے۔"

"وہ مان نہیں جائیں گے بلکہ مجبور ہو جائیں گے اور میرا خیال ہے۔ کوئی بیٹا نہیں چاہے گا اس کا باپ اس کے آگے گھٹنے ٹیک دے۔"

"تو پھر تم سرنڈر کر دو... یہی کرنا چاہتے ہو؟"

"سرنڈر..." وہ چپ ہو گیا۔ صدف کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی۔

"عظیم قربانی تو اس بیٹے کی بھی تھی جس نے باپ سے ایک سوال تک نہ کیا اور خاموشی سے سر جھکا کر خود کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ جو قربانی کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ انہیں محبت کا دعوا کرنے کا حق نہیں..."

وہ چونکا' اندھیرے میں جیسے کسی جگنو نے چمک کے راستہ دکھایا تھا' وہی جگنو سے چند الفاظ پھر دمکے۔

"ایک عزیز شے کو دوسری عزیز ہستی پہ قربان کرنا ہی اصل محبت ہے۔"

اس نے لپک کے ان جگنو الفاظ کو مٹھی میں بھر لیا۔ اب فیصلہ کرنا بہت آسان تھا۔ کون عزیز تر ہے اور کون عزیز... عزیز تر وہ ہستیاں تھیں جن کے اتنے دور ہونے کے باوجود وہ جن کی دعاؤں کے سائے خود پہ ہر لمحہ محسوس کرتا تھا' جن کا دل دکھا دینے کی کسک اسے دن رات بے چین کیے دے رہی تھی' اور نیرا... عزیز تر تو کیا وہ تو شاید عزیز بھی نہ تھی محض ایک دل لبھانے

والا خیال جو اس کے اندر کو چھوئے بغیر سرسری سا گزر گیا۔

"نیرا! یہ نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں۔"

اس کے الفاظ میں اتنی سختی تھی کہ خود نیرا خاموش رہ گئی، اس کے سارے دلائل جو اس نے اسے قائل کرنے کے لیے رٹ رکھے تھے، دم سادھ گئے۔ وہ رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی تو پہلی بار ابراہیم کے دل کو کچھ کچھ ہوا۔ گزرے کئی خوشگوار پل اپنی یادیں لہرانے لگے، اس نے مٹھی زور سے بند کی اور وہاں سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

نجانے کیا وجہ تھی، نیرا کو صاف صاف جواب دے دینے کے باوجود وہ مطمئن نہ ہو پا رہا تھا۔ اس نے اسے تو واضح الفاظ میں باور کرا دیا تھا کہ وہ یوں چوری چھپے شادی کر کے اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا لیکن اپنے دل کو تسلی نہ دے پا رہا تھا کہ ابو جان کے آنے کے بعد ان پہ اپنا موقف کیسے واضح کر سکے گا۔

عاکف والا مسئلہ تو سمجھو حل ہو گیا تھا، اب شاید موتی کے سلسلے میں پھوپھی اماں کو ادھر ادھر نہ دیکھنا پڑے لیکن صدف..... اگر ابو جان کو اس کا رشتہ ختم ہونے کی خبر ہوئی تو ظاہر ہے، وہ بہن کا یہ بوجھ بھی بانٹنا چاہیں گے اور اس میں اب نیرا کو مزید ناراض کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ یقیناً" ابو جان کے مقابلے میں نیرا اسے عزیز تر تو کیا عزیز تک نہ لگی تھی اور اس نے محض نیرا کو مطمئن کرنے کے لیے ابو جان کو یہ ذہنی وجذباتی صدمہ دینا گوارا نہ کیا تھا کہ وہ ان کی لاعلمی میں شادی کر کے ایک بار پھر ادریس بھائی والی غلطی دہرا تا اور ابو جان تو بڑے بیٹے کی اس حرکت سے پہلے ہی ٹوٹے ٹوٹے سے تھے، بالکل ہی ڈھے جاتے۔

لیکن..... صدف..... کم از کم اس کے آگے تو نیرا کی اہمیت زیادہ تھی۔ جو بھی تھا، وہی اس لڑکی کے دل میں یہ خیال لانے کا باعث بنا۔ "آخر وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" اس نے پورے وثوق سے سوچا۔ "اب اگر اس کا انداز ہی بولڈ ہے تو ظاہر ہے وہ محبت بھی اپنے انداز میں کرے گی، صرف اتنی سی بات پر اسے مسترد کرنا درست نہیں۔" اس کا دل پھر ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ وہ گھبرا گیا۔

"اف آخر میں کوئی فیصلہ کر کیوں نہیں لیتا۔"

اس نے گھبرا کے راحیل کے کیبن کا رخ کیا۔ پنڈی پوسٹنگ کے بعد اس کی راحیل سے اچھی خاصی چھننے لگی تھی جس میں کافی عرصے سے رخنہ سا آ گیا تھا۔ وہ خوش مزاج، یار باش سا بندہ تھا، اسی کی معرفت وہ پہلی بار سائرہ آنٹی سے ملا تھا اور ان ہی کے مشورے سے اس نے خود میں اور راحیل میں ذرا فاصلہ رکھنا شروع کر دیا تھا حالانکہ اس پابندی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی لیکن تب وہ نیا نیا سائرہ آنٹی کے اثر میں آیا ہوا تھا اور ان کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لیا کرتا تھا۔ اس کے خیال میں آنٹی کے گریز کی وجہ کوئی خاندانی تنازعہ ہو گا اور اس نے ان کی ناپسندیدگی کا لحاظ کرتے ہوئے خود بخود راحیل سے کم ربط رکھنا شروع کر دیا لیکن اس گومگو کیفیت میں اسے شدت سے کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

انگلی تھام کے چلنا سکھانے والا باپ بھی ہزاروں میل دور تھا اور دعائیں پڑھ پڑھ کے پھونکنے والی مہربان ماں بھی..... جس سے دل کا رشتہ جوڑنا چاہا وہ خود ہی الجھنیں بڑھانے کا باعث بن رہی تھی۔ ایسے میں اسے اپنی زندگی میں کسی پرخلوص دوست کی کمی ہمیشہ سے بڑھ کے محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار راحیل کی طرف بڑھ گیا لیکن کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے باوجود وہ اس سے سائرہ آنٹی کا ذکر نہ چھیڑ سکا وہ تو صحیح طرح سے یہ بھی نہ جانتا تھا کہ راحیل کا ان سے رشتہ کیا ہے۔ اتفاقاً" اس نے خود ہی اپنے چھوٹے بھائی کی منگنی کا ذکر شروع کر دیا۔

"ہمارے ہاں خاندان میں ہی رشتے کرنے کا رواج ہے۔ میری شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی اور اب سہیل کی منگنی پھوپھو کے ہاں کر رہے ہیں۔ تم ضرور آنا..... کہیں آتے جاتے ہی نہیں ہو۔"

"تمہاری پھوپھو..... شاید میں ان سے ملا ہوں۔ ایک بار تمہارے کیبن میں ملاقات ہوئی تھی۔ ہاں یاد آیا سائرہ..... یا شاید سارہ آنٹی کہہ کے تعارف کرایا تھا تم نے۔" اس نے سرسری سا کہتے ہوئے اگلوانا چاہا۔

"کون..... ؟ وہ سائرہ آنٹی..... توبہ کرو..... وہ اور میری پھوپھو....." وہ اچھل کے بیٹھ گیا اور کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔ ابراہیم سخت متعجب ہوا۔

"تم خود ہی تو انہیں آنٹی کہہ رہے تھے، آخر کس رشتے سے وہ تمہاری آنٹی لگتی ہیں؟"

"ارے گھامڑ، تجھے اسے دیکھ کے بھی اندازہ نہیں ہوا کیا؟ وہ خالہ، چچی، ممانی اور پھوپھی ٹائپ آنٹی نہیں بلکہ..... "وہ" والی آنٹی ہے..... آیا کچھ سمجھ میں.....؟"

"وہ والی!" وہ کچھ سمجھنے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں بڑبڑا کے رہ گیا۔

"ہاں یار! "وہ" والی آنٹی جو ڈھیر ساری خوبصورت لڑکیوں کی آنٹی ہونے کی وجہ سے خود بخود ہی سب کی آنٹی بلکہ آنٹی جان بن جاتی ہے۔"

"واٹ؟" اسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا۔ یہ تلخ حقیقت تو اس کے گمان سے بھی باہر تھی۔ نیرا کا معصوم و دلکش چہرہ پھر سے تصور میں آ کے اسے بہکانے لگا اور دل راحیل کی باتوں پہ ایمان لانے سے انکاری ہو گیا۔

"تم تو ایسے اچھل رہے ہو، جیسے پہلی بار ایسی بات سنی ہو۔ ارے اس پروفیشن میں آنے کے بعد تو ایسے ایسے تماشے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ گویا پوری سوسائٹی عریاں ہو کے سامنے آ جاتی ہے۔ عجیب صحافی ہو تم کہ پہلی نظر میں اس عورت کی اصلیت نہ بھانپ سکے۔"

"میں نے اسے صحافی کی نظر سے دیکھا ہی کب تھا۔ تم نے آنٹی کہہ کے تعارف کروایا اور میں بس اس سے آگے احترام کی وجہ سے کچھ سوچ بھی نہ سکا۔"

وہ آہستگی سے بولا۔ اور حقیقت بھی یہ تھی اپنے پروفیشن کے لحاظ سے وہ واقعی ایک جینئس بندہ تھا لیکن عام زندگی میں ہر بات کو ہر چیز کو سطحی انداز میں لینے والا۔ تہہ تک پہنچنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ آنٹی اور نیرا کے کھلے ڈلے لائف اسٹائل اور مغربی پہناووں کو ان کی سوسائٹی کے تقاضے سمجھا۔ اب خیال آ رہا تھا کہ وہ کوئی اتنے اپر کلاس سے بھی تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ کئی لحاظ سے مڈل کلاس ہی کہلائے جا سکتے تھے پھر یہ فارن ریٹرن اور ہائی کلاس سوسائٹی جیسے طور طریقے رکھنے کا مطلب.....؟

"تم بھی بس بھولے بادشاہ ہی ہو یار۔ نجانے اتنے سال لاہور میں کیا کرتے رہے۔ وہاں تو ایسی آنٹیاں

دُنیا کی بہترین کہانیاں
عمران ڈائجسٹ
شائع ہو گیا ہے
دُنیا بھر سے
مُنتخب دلچسپ
کہانیاں
پیش کرتا ہے
دلکش تحریروں کا مجموعہ
تھکے ذہنوں کا سامان
ہر ماہ کی
۲۵ تاریخ
کو شائع ہوتا ہے
عمران ڈائجسٹ
اردو بازار • کراچی

دھڑلے سے شریفوں کے محلے میں رہتی ہیں۔ اب ان شہروں میں بھی یہ رجحان ہو گیا ہے۔ بدنام بازاروں کی رہائش اس لیے ترک کر دی ہے کہ وہاں بھڑ کا سے اور اوباش لوگ آتے ہیں۔ کوٹھوں کے بجائے کوٹھیوں میں آنے کا یہ فائدہ ہے کہ صاف ستھرے، کریم کلاس کے بزنس مین آتے ہیں۔ لوگوں میں آزادی سے اٹھ بیٹھ بھی سکتے ہیں۔ اب اس آنٹی کو ہی دیکھ لو۔ پہلی شادی کسی زمین دار سے کی۔ طلاق اور دو بچوں کو لے کر پھر اس محلے نہیں گئی۔ ایک شریف بندہ پھنسایا، نکاح کا ٹیگ لگایا اور جاننے والیوں کی مدد سے یہ کام ذرا الگ ڈھنگ سے شروع کر دیا، وہ مجرے، محفلیں، ٹھمریاں سب گئے دور کی باتیں ہیں میری جان! آج کے امیر زادے کچھ اور مانگتے ہیں انہیں امراؤ جان ادا نہیں بلکہ "ماڈرن روح" چاہیے۔ اس نے بھی بیٹیاں بھلے اپنے دھندے سے ہی لگائیں لیکن کالج بھیجنے کے بعد یعنی ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس کر کے۔"

"بیٹیاں؟ اپنی بیٹیاں بھی؟ تم تو کہہ رہے تھے، جاننے والیاں؟"

اس نے بڑی آس سے پوچھا۔ یہ خیال ہی تکلیف دہ تھا کہ اتنا عرصہ وہ کسی ایسی ویسی لڑکی سے منسلک رہا اور پھر خود پہ نازاں بھی رہا۔

"ہاں، اپنی اولاد کے معاملے میں ذرا اصول الگ رکھے ان میڈم نے۔ انہیں ایسے کسی کام سے نہیں لگایا جس میں رسک اور بدنامی زیادہ ہو۔ اور تو اور اس نے بیٹے کے دام بھی کھرے کیے۔ ماضی کی مقبول ماڈل گرل اور اب کی نامور فیشن ڈیزائنر کا Pet ہے یہ Pet جانتے ہو۔ پالتو شوہر۔ بڑی بیٹی میر الملک کے پائے کے سیاستدان سے بیاہ دی اب پاور چاہے اس کے پاس ہو نہ ہو، عہدہ ہو نہ ہو۔ پیسہ تو بہت ہے، یہ کوٹھی جس میں اب رہ رہے ہیں، اسی خاں صاحب کی عنایت کردہ ہے۔ ابھی کافی کچھ ہے بڈھے کے پاس اس لیے گھر بسا ہوا ہے ورنہ چھوٹی لڑکی نیرا تو آٹھ ماہ میں سب سمیٹ کے آ گئی تھی۔"

"کیا؟" وہ لرز گیا۔

"ہاں اور آنٹی صاحبہ بھی اس روز اسی سلسلے میں وہاں موجود تھیں۔ نواز لئیق کو جانتے ہو۔ پچھلے سال اسی سے نکاح ہوا تھا محترمہ نیرا کا، اصلیت جلد کھل گئی۔ اس لیے زیادہ عرصہ نبھ نہ سکی، بے چاری جتنا بٹور سکی اسی پہ اکتفا کرتے ہوئے بھاگ گئی، نواز نے کہیں پریس کانفرنس کے ذریعے کچا چٹھا کھولنے کی کوشش کی تو آنٹی صاحبہ پہنچ گئیں، یہیں اسی آفس میں تصفیہ ہوا تھا۔"

"تو وہ شادی شدہ۔" وہ پوچھتے پوچھتے رک گیا۔ اپنا ہی بھرم کھو دینے کا ڈر تھا۔ اسے نیرا اور آنٹی کے وہ تمام رنگ ڈھنگ اور ناز و انداز یاد آ گئے، جن کی بدصورتوں سے اس نے اب تک آنکھیں چرا رکھی تھیں۔ وہ اکثر رات کو جب گھر پہنچتا تو بھانت بھانت کی لڑکیاں نیچے جمع ہوتیں، بھڑکیلے ملبوسات اور شوخ میک اپ کے ساتھ..... اس کے ایک بار کے استفسار کرنے پر آنٹی نے وضاحت کی تھی کہ وہ فارغ وقت میں لڑکیوں کو مختلف علوم کی ٹریننگ وغیرہ دیتی ہیں۔ وہ اس ٹریننگ کو ککنگ، بیکنگ، ڈریس ڈیزائننگ، پینٹنگ اور میک وغیرہ کے کورسز ہی سمجھتا رہا اپنی دھن میں یہ تک غور نہ کیا کہ آنے والی لڑکیاں ماشاءاللہ سے خود خاصی "ٹرینڈ" لگتی ہیں۔

اور وہ اکثر و بیشتر نیرا کا یا آنٹی کا اس سے بے تکلفی سے رقم مانگ لینا..... نیرا کا آئے دن اس سے شاپنگ کروانا..... سب اس پہ واضح ہونے لگا۔

وہ خاموشی سے راحیل کے پاس سے اٹھ آیا۔ اسے خود پہ غصہ آ رہا تھا اور شرم بھی محسوس ہو رہی تھی کہ کیسے وہ ایک بازاری عورت کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ یہ بات ابھی تک اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ آخر آنٹی اور ان کی بیٹی کی نظر عنایت اس پہ ہی کیوں ٹھہری۔ شہر کے رئیس اور سیٹھ کیا سب ختم ہو گئے تھے یا سب کے سب نیرا کے آزمائے ہوئے تھے یا پھر

اس کی حماقت، سادہ لوحی یا صاف لفظوں میں گھامڑ پن اتنا ہی ان دونوں کو بھایا تھا کہ وہ اس عام سے درجے کے صحافی کو لوٹنے کے لیے منتخب کر بیٹھیں۔ بہت سوچ سوچ کر یہی بات دماغ میں آئی کہ ایک شادی کے بعد نیرا کا بھاؤ گر گیا ہو گا اور شہر میں نیا نیا آنے کی وجہ سے اس کا ان کی اصلیت جان لینے کا اندیشہ کم سے کم ہو گا اس لیے..... اس نے سچائی سے اپنا احتساب کیا۔

"سچ ہی تو سوچا تھا نیرا نے، واقعی مجھ سے زیادہ احمق اسے اور کوئی کیا ملتا جو دیکھتے بھالتے، جانتے بوجھتے انجان بنا رہا۔ میں تو خاموشی سے اپنا آپ برباد کرنے جا رہا تھا، اتنا گم ہو چکا تھا، اس کی ذات کی ظاہری رنگینیوں میں کہ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت ہی ماؤف ہو کے رہ گئی تھی، چکاچوند نے آنکھیں اتنی چندھیا دیں کہ کوئی روشنی سجھائی نہ دے رہی تھی۔ وہ تو اگر ابو جان آ کر دھماکا نہ کرتے تو میں یونہی مگن رہتا، ان کی بات نے ایسا چونکایا کہ میں ارد گرد پہ غور کرنے پہ مجبور ہو گیا۔

اور پھر..... پھر صدف کے وہ الفاظ..... سچ تو یہ ہے کہ ان الفاظ نے ہی مجھے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اگر وہ الفاظ..... قربانی اور باپ بیٹے کی محبت کا وہ لازوال فلسفہ میرے اندر نئے سے معنی نہ جگاتا تو نیرا کی تجویز مجھے اتنی ناقابل عمل نہ لگتی اور شاید میں بھی ابو جان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانے کا سوچتے ہوئے اس دلفریب جال میں پھنس چکا ہوتا لیکن وہ تب کی بات تھی۔ تب کی..... جب میں سر سے پیر تک نشے میں مدہوش تھا، اب میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں۔ مجھے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے کسی نہ کسی وسیلے سے مجھے سنبھلنے کا موقع دیا۔"

☼ ☼ ☼

"عاکف! تم یہ مہندی کا پیالہ پکڑو..... میں ذرا یہ مالا "راجہ" کے گلے میں ڈالتا ہوں۔"

ابراہیم نے رنگین پھندنوں اور نقرئی گھنٹیوں سے سجا ہار بکرے کے سینگوں سے پھنسا کے گزارنے کی کوشش کی۔

"بھائی! یہ مہندی نہیں لگوا رہا، ٹھنڈی ہے ناں، اس لیے ہاتھ لگاتے ہی بدک جاتا ہے۔ ڈیزائن ہی نہیں بن رہا۔" عاکف نے دہائی دی۔

"تو تم یہ جلیبیاں مت بناؤ یار، بس چاند بنا دو اور ستارے۔"

"ہاں..... وہ تو جیسے بہت آسان ہے۔" وہ چڑ کے بولا۔

"آپی! مجھے یقین ہو گیا، وہ جو افسانوں میں لکھتے ہیں ناکہ محبت خود بخود اپنا رستہ بنا لیتی ہے اور وہ جو گانے ہوتے ہیں، پیار کیا نہیں جاتا، ہو جاتا ہے، دل دیا نہیں جاتا، کھو جاتا ہے، سب سچ ہوتے ہیں۔"

موتی کے لہرا لہرا کے گنگنانے پہ سب چونک کے اسے دیکھنے لگے۔ عاکف کے چہرے پہ خوش فہمی تھی تو صدف اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے موتی کا دماغ چل گیا ہو جبکہ ابراہیم اس خوف سے حیرت زدہ ہو گیا کہ کہیں اسے اصل بات کا پتا تو نہیں چل گیا۔

"دیکھیں نا آپی! ابراہیم بھائی تو راجہ سے اتنا چڑتے تھے۔ اب کیسے ایک دم اس سے اتنا پیار کرنے لگ گئے۔ کبھی اس کے آگے "پتے" ڈال رہے ہیں۔ کبھی دانہ کھلا رہے ہیں، صبح خود نہلایا اور اب میک اپ بھی کر رہے ہیں۔"

اس کی بات پہ عاکف کے چہرے کی خوش فہمی نے منہ بنایا تو ابراہیم نے بھی شکر ادا کیا کہ موتی محبت تک تو پہنچی مگر صرف راجہ کی۔

"بات یہ ہے موتی! کہ پیار واقعی کیا نہیں جاتا، ہو جاتا ہے لیکن بلاوجہ کبھی نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی وجہ، کوئی نہ کوئی تحریک اس جذبے کو بیدار کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ کبھی انسیت، کبھی قربت، کبھی کشش، کبھی خوبصورتی، کبھی دوستی اور کبھی کبھی احسان مندی..... کبھی کوئی ہستی بغیر جتائے آپ پہ اتنا بڑا احسان کر جاتی ہے کہ آپ کا بس نہیں چلتا، شکر گزاری کے احساس سے مغلوب ہو کے اپنی قیمتی ترین متاع اس پہ وار دیں۔ اور دل سے زیادہ قیمتی چیز

اور کون سی ہے۔"

"تو آپ نے بکرے کو اپنا دل دے دیا ہے؟" موتی کے حیرت سے چلّانے پہ وہ سر جھٹک کے ہنس پڑا۔ عاکف اور صدف بھی حیرت سے اسے تک رہے تھے۔

"لیکن یہ راجہ آپ کا محسن کیسے ہوا؟" عاکف کے سوال پہ اس نے لب دبا کے کچھ سوچا پھر صدف کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بس کسی نے بنا دیا' نہ نہ..... اب یہ مت پوچھنا "کسی کون؟" اس نے ہار راجہ کے گلے میں پہنا ہی دیا۔

"واہ راجہ کے کیسے لاڈ اٹھائے جا رہے ہیں' کل عید ہے۔ چچی جان نہیں ہیں تو کسی نے یہ تک نہیں پوچھا۔ موتی تمہیں چوڑیاں اور مہندی چاہیے' عید کا جوڑا سلوا لیا؟" اسے بہانا مل گیا پھوپھی اماں کو یاد کر کے رونے کا۔ صدف نے اسے گلے لگا لیا۔

"پاگل' امی کب تم سے یہ پوچھتی تھیں' بس عید والے دن تمہارا جوڑا' تمہاری پسند کی سب چیزوں کے ساتھ تمہیں دے دیتی تھیں۔ میں نے بھی یہی سوچ رکھا تھا' تمہارا خوبصورت سا سوٹ تیار ہے۔ جاؤ اکو کے ساتھ جا کے میچنگ کی چوڑیاں لے آؤ۔"

"اور میرے بھی..... پیر کی پازیب بھی..... اور ہاں' وہ نئے شیڈ کی نیل پالش۔" دونوں ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ لسٹ گنوانے لگی۔

"یہ تمہاری نہیں راجہ کی عید ہے۔ قربانی اس کی ہو رہی ہے تمہاری نہیں۔ اس عید کا اصل ہیرو بکرا ہوتا ہے سارے سجنے سنورنے کا حق صرف اسے ہے۔" اکو نے چڑایا۔ وہ اس سے الجھنے لگی۔

ابراہیم نے کن انکھیوں سے چاول چنتی صدف کو دیکھا۔ موتی اور عاکف کے کھٹے میٹھے جملے سنتے ہوئے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"اصل محسن تو تم ہو میری۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"میں جان گیا ہوں کہ مجھے سنبھالا دینے میں سب سے اہم کردار تمہارے ان الفاظ نے کیا تھا۔ تم تو شاید جانتی بھی نہ ہو گی تمہاری اس دن کی کہی عام سی بات نے کس کس طرح مجھے سہارا دیا۔ ورنہ میں تو بالکل بے دست و پا ہو چکا تھا۔ ظاہری کشش اور وقتی پسندیدگی کو عشق سمجھ بیٹھا تھا۔

عشق تو اکو نے کیا تھا' موتی کو برسوں سے بے انتہا چاہنے کے باوجود اس کا دل خود غرضی پہ آمادہ نہ ہوا' خود کو نامراد ٹھہرائے جانا منظور تھا اسے لیکن اس کے لیے ہمیشہ بہتر سے بہترین کی آرزو کی۔

پھوپھی اماں کی محبت کتنی سچی اور بے غرض تھی' اپنی اولاد کے لیے خودداری سے کام لینا تو گوارا تھا لیکن پرائی امانت کو کس عقیدت سے سینچا کہ ساری عمر بھائی سے کچھ نہ لینے والی بہن اس کے لیے مدد مانگ ہی بیٹھی۔

اور صدف..... قربانی تو وہ ہے جو اس نے دی' اپنی ذات پہ اس نام نہاد منگنی کا ٹیگ لگائے رکھنا صرف اس لیے گوارا کیا کہ کہیں موتی کے لیے آنے والا کوئی رشتہ اس کا طلب گار نہ ہو جائے..... اس محبتوں سے گندھے گھرنے' اس مہکی فضا نے میرے اندر سے سارے اندھیرے دور کر دیے۔

کیا مجھے اس روشنی سے دور جانا چاہیے۔" اس نے خود سے سوال کیا اور جواب ملا۔

"نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس جگنو کو ہمیشہ کے لیے اپنا ہم سفر کر لو تاکہ بھٹکنے کا' کھونے کا کوئی ڈر ہی نہ رہے۔"

اس نے فیصلہ کر لیا اور سرشار سا ہو کے ابو جان کا انتظار کرنے لگا جو جاتے جاتے اس پہ ایک بار ڈال گئے تھے یہ کہتے ہوئے۔

"ایک فرض میں ادا کرنے جا رہا ہوں۔ دوسرے فرض کی ادائیگی تم پر قرض ہے۔"

اور وہ یہ قرض بمعہ سود انہیں لوٹانے کا شدت سے منتظر تھا۔